مکمل ناول



پار میں

نائلہ طارق

جس طرح چمکتے دمکتے دن کو رات اپنی تاریکی میں گم کر لیتی ہے کچھ اسی طرح تنہائی اور غم کے سیاہ پردوں نے اس کے وجود کو اپنے حصار میں لے رکھا تھا، آنکھیں سمندر اور روح صحرا بن چکی تھی، سالوں پہلے اچانک اس کا بے نام و نشان وجود زمین سے آسمان پہ پہنچ کر معتبر بن گیا تھا اور اب ایک ہی جھٹکے میں آسمان سے گر کر زمین پر ایسا بکھرا ہے کہ کوئی ہاتھ بھی ایسا نہ رہا تھا جو بڑھ کر اس کے بکھرے وجود کے ٹکڑے سمیٹ لیتا، بس اب تو ایک موہوم سی امید تھی مگر شاید اسے بھی معدوم ہو کر ختم ہو جانا تھا، ڈبڈبائی نظروں سے اس نے وسیع و عریض صحن میں پھیلے گھمبیر سناٹے کو دیکھا تھا، کچھ چین کے ساکت پیڑ پر بیٹھی چڑیا بھی سوگوار تھی، پلکیں بھینچ کر اس نے آنسوؤں کو رخساروں پر بہنے دیا تھا اور پھر لرزتے قدموں کے ساتھ برآمدے کے بچ بستہ چکنے فرش پر آگے بڑھتی ڈرائنگ روم کی ادھ کھلی کھڑکیوں کے قریب آ کھڑی ہوئی تھی، مانوس آوازیں ابھر رہی تھیں، اس کی قسمت کا فیصلہ اب ایک ایسے انسان کے ہاتھ میں تھا جس سے نہ اس کا کوئی خونی رشتہ تھا، نہ قانونی، نہ شرعی رشتہ اور نہ ہی دل کا، یہ کیسا عجیب و غریب معاملہ تھا کہ کوئی تعلق نہ ہونے کے باوجود اس انسان کے ہاتھ میں ہی آر یا پار کرنے کے فیصلے آ چکے تھے، ابھرتی آوازوں کو سنتے ہوئے اس کا دل لرز رہا تھا، سسکیاں حلق میں ہی گھٹ رہی تھیں۔

☆☆☆

''تم یہ جانتے ہو کہ شکیب کی آخری وصیت کیا تھی اور اب بھابھی کی وصیت بھی وہی ہے۔''

''انکل! میں یہ سب جانتا ہوں مگر امی اور ابو یہ بات جانتے تھے کہ میرے لئے وہ سب کرنا ممکن نہیں جو وہ دونوں چاہتے تھے۔''

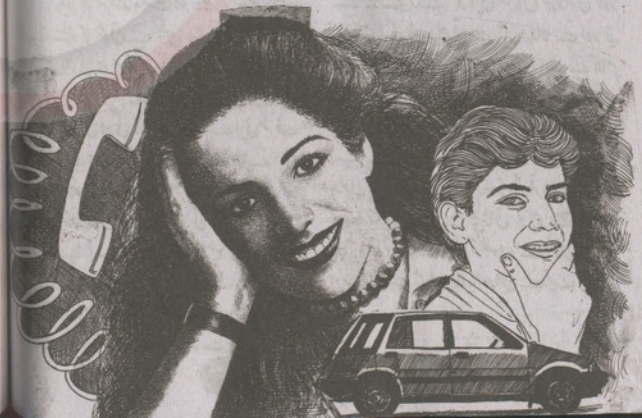

"شاہ زیب! یہاں بات تمہارے مرحوم ماں باپ کی وصیت کی ہو رہی ہے۔" احسان اللہ نے خشک لہجے میں تیز نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے جتایا تھا، تذبذب کے ساتھ پہلو بدلتا وہ فوری طور پر کچھ بول نہیں سکا تھا۔

"انکل! میں پہلے ہی بہت زیادہ ڈپریشن میں ہوں، میں بالکل بھی ابو یا امی کی وصیت کے خلاف نہیں جانا چاہتا مگر میں مجبور ہوں، سب جانتے ہیں پچھلے پانچ سال سے میں کمیٹڈ ہوں۔"

"اور یہ تم بھی جانتے ہو کہ تمہاری اس کمٹمنٹ سے تمہارے ماں باپ راضی نہیں تھے۔" احسان اللہ گود میں رکھی فائل کی ورق گردانی کرتے یاد دلا رہے تھے۔

"مگر مجھے یقین تھا کہ میں ان دونوں کو راضی کر لوں گا مگر دو سال پہلے ابو کے اچانک جان لیوا ہارٹ اٹیک اور پھر امی....." وہ بات مکمل نہیں کر سکا تھا، ماں کی یاد نے کوئی کند چھری اس کے دل میں اتار دی تھی، زخم تازہ تھا، یہ زخم تو کبھی بھرنے والا ہی نہیں تھا، اس کی سرخ آنکھیں جلنے لگی تھیں۔

"شاہ زیب! میں تمہاری مشکل کا اندازہ کر سکتا ہوں، بھابھی کی اتنی اچانک وفات تمہارے لئے کسی سانحے سے کم نہیں، لیکن یہ میرے پیشے کے فرائض میں شامل ہے کہ ان وصیتوں کے بارے میں تم سے بات کروں، اگر تمہیں جلدی واپس نہ جانا ہوتا تو میں ان معاملات پر کچھ وقت کے بعد بات کرتا۔" اس کی اذیت کو محسوس کرتے ہوئے احسان اللہ معذرت خواہانہ انداز میں بولے تھے۔

"میں جانتا ہوں، آپ اپنا کام کر رہے ہیں۔" وہ بولا تھا۔

"صرف کام نہیں شاہ زیب، یہ میری ذمہ داری بھی ہے، تمہارے ماں باپ سے جو میرا تعلق رہا ہے وہ مجھے حق دیتا ہے کہ ان کے ادھورے کاموں اور خوابوں کو پایہ تکمیل تک پہنچاؤں۔" احسان اللہ کے کہنے پر وہ بس سر ہلا سکا تھا۔

"وصیت کے مطابق یہ گھر طروب کے اور تمہارے نام ہے کیونکہ وہ پر یقین اس دنیا سے گئے ہیں کہ تم اور طروب ایک ہو جاؤ گے، بھابھی کے اکاؤنٹ میں جو رقم ہے اور ان کے جو زیورات وہ مکمل طروب کی ملکیت اور اس کی شادی کے لئے مختص ہیں جبکہ شکیب کا اکاؤنٹ تو پہلے ہی تمہارے نام ہو چکا اور....."

"انکل! میرے باپ نے میری پرورش اس طرز پر کی ہے کہ اسٹوڈنٹ لائف سے ہی میں سیلف میڈ تھا، یہ میرے ماں باپ کی ہی اسپورٹ ہے، آج میرے اپنے پاس سب کچھ ہے، میرے ذہن میں یہ سوچ کبھی آئی ہی نہیں کہ میں جائیداد کا تنہا وارث ہوں، امی ابو سے طروب کو جو کچھ ملا ہے وہ اس کا حق ہے، میرے ماں باپ نے اسے بیٹی کا پیار عزت احترام دیا تو اس نے بھی ان دونوں کو وہی احترام اور عزت دی جس کے حق دار ماں باپ ہوتے ہیں، میرے حصے کا جو کچھ ہے آپ وہ سب بھی طروب کے نام کر دیں اور بس مجھے اس مشکل سے نکال دیں، آپ تجربہ کار وکیل ہیں، آپ کے لئے درمیان کا راستہ نکالنا مشکل نہیں۔" وہ ایک بار پھر التجاء کر رہا تھا۔

"زیب! تم اپنے ماں باپ کے اس محنت سے بنائے گھر سے دستبردار ہو سکتے ہو، ان کی محنت سے بنائی گئی ہر چیز سے دستبردار ہو سکتے ہو یہاں تک کہ طروب سے بھی دامن چھڑا سکتے ہو

مگر کیا تم جانتے ہو کہ ایک انسان کی آخری خواہش کی اہمیت کیا ہوتی ہے؟"

کچھ تھا احسان اللہ کے سنجیدہ لہجے میں کہ وہ چاہتے ہوئے بھی کچھ بول نہیں سکا تھا۔

"ایک انسان کی آخری خواہش اس کی پچھلی تمام زندگی کا نچوڑ ہوتی ہے، حاصل ہوتی ہے، اکثر یہ آخری خواہش انسان کے لئے آخری سانسوں میں سرخروئی، قبر میں سکون اور آخرت میں نجات کا باعث بن جاتی ہے، انسان کا حق ہوتا ہے یہ اس کے اپنوں پر کہ وہ اس کی خواہش کی تکمیل کی ہر ممکن کوشش کریں اور یہاں تو دو انسانوں کی آخری خواہش کا معاملہ ہے، انسان بھی وہ جو تمہارے ماں باپ ہیں، کم از کم میں ان دونوں سے دغا نہیں کر سکتا تھا، درمیان کا کوئی ایک کیا اگر سوا رستے بھی نکلتے تو بھی میں تمہیں یہی مشورہ دیتا کہ اپنے ماں باپ کی خواہش پر عمل کرو، انہوں نے بہت سوچ سمجھ کر طروب کو تم سے منسوب کیا ہوگا، تمہیں کسی چیز کی ضرورت نہ ہو مگر طروب کو تمہاری ضرورت ہر چیز سے زیادہ ہے، ہر چیز سے، ہر شے سے نظر چرا کر تم اپنی مرضی کر کے بھی طروب کی ذمہ داری سے دستبردار نہیں ہو سکو گے، ہاں اگر اسے دھتکار کر تم اپنے ماں باپ کی سالوں کی ریاضت کو خاک میں ملانا چاہو تو میں ذمہ دار نہیں۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں، میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا، طروب میرے گھر کی فرد ہے، میرے ماں باپ کی اہم نشانیوں میں سے ایک ہے۔" احسان اللہ کے آخری جملے اسے تیر کی طرح لگے تھے۔

"یہ فائل میں چھوڑ جاتا ہوں، اسے پڑھ لینا، طروب ابھی صدمے میں ہے، بہتر ہے کہ موقع دیکھ کر ان معاملات پر تم اس سے بات کرو، باہمی طور پر جب کوئی فیصلہ کر لو تو مجھے آگاہ کر دینا۔" فائل سامنے ٹیبل پر رکھتے ہوئے احسان اللہ جانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے، وہ ذہنی طور پر اتنے انتشار میں مبتلا تھے کہ احتراماً ان کے لئے صوفے سے اٹھ بھی نہیں سکا تھا، لیکن ساری گفتگو کے دوران اس کا چچا زاد اور دوست شاہ میر احسان اللہ کو باہر تک چھوڑنے چلا گیا تھا، واپس آیا تو شاہ زیب فائل پر نظر جمائے کسی گہری سوچ میں گم نظر آیا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" دائیں جانب صوفے پر براجمان ہوتے شاہ میر نے پوچھا تھا۔

"سچ پوچھو تو میں کچھ بھی سوچنے کے قابل نہیں رہا ہوں، دماغ ماؤف ہو چکا ہے۔" اضطرابی انداز میں اس نے انگلیاں بالوں میں پھیری تھیں۔

"ہم طروب کو یہاں تنہا چھوڑ کر بھی نہیں جا سکتے۔" شاہ میر کے کہنے پر شاہ زیب نے گہری سانس لی تھی۔

"تم ہی کوئی مشورہ دو، کیا کروں میں؟" وہ بے بسی سے پوچھ رہا تھا۔

"تم شہر بینہ سے تعلق تو ڑ نہیں سکتے، طروب سے جوڑ نہیں سکتے، اس سب کے بغیر تم طروب کو اپنے ساتھ لے جا نہیں سکتے، طروب تنہا یہاں رہ نہیں سکتی، کہیں کوئی گنجائش ہی نظر نہیں آتی۔" شاہ میر سوچتے ہوئے بولا تھا۔

"تم ایسا کیوں نہیں کرتے کہ ذرا ہمت کر کے طروب سے نکاح کر لو اور پھر شہر بینہ سے شادی کر لو، تم راضی کر سکتے ہو شہر بینہ کو، طروب بھی کوئی اعتراض کرنے کی پوزیشن میں نہیں، ویسے بھی وہ جانتی ہے کہ تم اس کے لئے انکار کر چکے تھے اور شہر بینہ سے شادی کرنا چاہتے ہو۔"

"شاہ! میرا سر پھٹ رہا ہے، لہٰذا تم یہ

بکواس بند کردو۔'' وہ شدید ناگواری سے بول اٹھا تھا۔

''شاہ زیب! جب تم اپنے فیصلوں میں لچک نہیں لگاؤ گے تو درمیانی راستے بھی اسی قسم کے نکلیں گے۔'' شاہ میر اس سے بھی زیادہ ناگواری سے بولا تھا۔

''تم حقیقت سے کیوں نگاہ چرا رہے ہو، تائی جان اور تایا جان نے نیکی کا جو بیڑہ اٹھایا تھا اب اسے تم نے ہی آگے بڑھانا ہے، یہ تمہاری خوش فہمی ہے کہ تم اس کی شادی کسی اچھے انسان سے کروا کر فرض پورا کردو گے، کسی برے انسان کے حوالے بھی اسے کرنا چاہو گے تو وہ پہلے اس کے حقیقی ماں باپ کے بارے میں، اس کے حسب نسب، نسل کے بارے میں پوچھے گا، پھر کیا جواب دو گے؟ کون اس سچ کے ساتھ اسے ساتھ عزت سے لے جائے گا کہ اسے یتیم خانے کے باہر ایک جھولے سے اٹھا کر تمہارے ماں باپ کے حوالے کیا گیا تھا، بالفرض اگر اسے قبول کرنے والا کوئی اچھا انسان مل بھی گیا تو کون ضامن بنے گا کہ وہ اسے طعنہ نہیں دے گا اس کی سچائی کا، کیا ضمانت ہوگی کہ وہ انسان طروب کو عزت واحترام دے گا؟''

''میں نے زندگی میں اس سے زیادہ مشکل حالات کا سامنا کبھی نہیں کیا، کچھ ٹھیک ہوتا نظر نہیں آرہا شاہ۔'' تھکے تھکے مضمحل انداز میں وہ صوفے کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کر گیا تھا، اس کے اترے چہرے کو دیکھتے ہوئے شاہ میر کو اس پر ترس آیا تھا۔

''فی الحال یہ کرو کہ طروب کو ساتھ لے کر چلو۔''

''میں اسے ساتھ لے کر کہاں جاؤں گا؟'' شاہ زیب زچ ہوا تھا۔

''اپنے گھر اور کہاں۔'' شاہ میر بولا تھا۔

''دو چار دن وہاں رہ کر طروب بھی کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل ہو جائے گی تو اسے اعتماد میں لے کر یہ سمجھانا کہ تمہاری شادی ہونے تک اسے ہاسٹل میں رہنا ہوگا، ویسے مجھے لگتا نہیں کہ اس جنم میں شہر بینہ تم سے شادی کرے گی البتہ اس جنم میں لازماً تمہیں کنگال کر کے دنیا سے جائے گی۔'' شاہ میر کے تلخ طنزیہ لہجے پر شاہ زیب نے ایک تیز نگاہ اس پر ڈالی تھی مگر کچھ بولا نہیں تھا کہ وہ کسی حد تک سچ ہی بول رہا تھا۔

''فی الحال تو یہی کرنا پڑے گا، تم جا کر طروب سے کہو اپنا ضروری سامان پیک کرلے، ہم کل ہی جا رہے ہیں۔'' اس کے فیصلہ کن لہجے پر شاہ میر اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔

''ویسے میرے بجائے اگر تم جا کر اس سے بات کرتے تو زیادہ اچھا تھا، تائی امی کی آخری رسومات سے لے کر اب تک تم اس کے پاس نہیں گئے ہو، ہمدردی کے دو لفظ ہی کہہ دو اس سے، ڈھارس ملے گی اسے۔'' شاہ میر نے جاتے جاتے رک کر کہا تھا۔

''اس کا اور میرا غم الگ الگ نہیں ہے شاہ، مجھے دیکھ کر اس نے بس رونا ہے، گزرے پانچ دن سے وہ یہی ایک کام کر رہی ہے اور میں اس کی اذیت میں اضافہ نہیں کرنا چاہتا۔'' اس کے مدھم گمبھیر لہجے پر شاہ میر خاموشی سے باہر نکل گیا تھا۔

☆☆☆

کمرے میں بچھی سفید چاندنی پر وہ دیوار سے پشت لگائے گھٹنوں پر سر رکھے بیٹھی تھی، اس کی مدھم سسکیاں سوگوار خاموشی میں پھیل رہی تھیں، شاہ میر چند لمحوں تک اسے دیکھتا رہا تھا اور پھر کچھ فاصلے پر خود بھی بیٹھ گیا تھا۔

''طروب!'' شاہ میر کی پکار پر وہ بمشکل سسکیاں روکتی سر اٹھا سکی تھی۔

''صبر تو کرنا پڑے گا، اپنے آپ کو سنبھالو، جو ہوا اللہ کی رضا ہے، ہم سب ہی کو ایک نہ ایک دن لوٹ کر اس کے پاس جانا ہے، تمہاری اتنی گریہ وزاری تائی جان کی روح کو تکلیف پہنچائے گی۔'' وہ نرم لہجے میں سمجھا رہا تھا۔

''وہ میرے بغیر ایک پل بھی نہیں رہتی تھیں، میرے بغیر ان کو نیند بھی نہیں آتی تھی اور آپ سب نے ان کو میرے بغیر قبر میں اتار دیا، مجھے بھی مر جانا چاہیے تھا، ان کے سوا میرا کوئی نہیں رہ گیا تھا، ان کے بعد میں بالکل تنہا رہ گئی ہوں کوئی نہیں ہے میرا۔'' زار و قطار روتی وہ بول رہی تھی۔

''تم بالکل تنہا نہیں ہو طروب، میں تمہارے ساتھ ہوں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ شاہ زیب تمہارے ساتھ ہے، تم دونوں کا دکھ ایک ہے تم دونوں ایک دوسرے کا سہارا ہو۔'' شاہ میر اپنے لفظوں پر زور دیتا اسے تسلی دینے کی کوشش کر رہا تھا، مگر طروب کے آنسوؤں کی شدت میں مزید اضافہ ہوا تھا۔

''شاہ! آپ کہیں آکا جان سے مجھے اپنے ساتھ لے چلیں، میں ان کے گھر کے ایک کونے میں رہ لوں گی، کبھی کچھ نہیں مانگوں گی، ان کے سامنے بھی نہیں آؤں گی بس وہ مجھے اپنے گھر لے چلیں ورنہ میں مر جاؤں گی، میں اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی ختم کرلوں گی۔''

''چپ رہو، بری بات ہے ایسی کفر کی باتیں نہیں کیا کرتے۔'' وہ ڈپٹنے والے انداز میں بولا تھا۔

''مجھے تمہارے آکا جان سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، اسے بہت فکر ہے تمہاری، اسی لئے تو وہ تمہیں اپنے ساتھ لے جا رہا ہے۔'' شاہ میر کی اطلاع پر اس نے اپنی بے تحاشہ سوجی ہوئی بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔

''میں سچ کہہ رہا ہوں، تم اپنا ضروری سامان پیک کرلو، ہم کل ہی روانہ ہو رہے ہیں۔'' اس کی ڈبڈبائی آنکھوں میں تیرتی بے یقینی کو بھانپ کر شاہ میر نے مزید کہا تھا۔

''اب تم منہ دھو کر کچن میں چلو، آج بھی تم نے کچھ نہیں کھایا تھا، زبردستی ہی سہی میرے ساتھ تھوڑا سا کھانا کھاؤ پھر میں اپنے اور تمہارے لئے چائے بناؤں گا، صحن کی کھلی فضا میں بیٹھ کر ہم چائے پئیں گے اور باتیں کریں گے، ہمت کرو، اٹھو تم بہت مضبوط اور بہادر لڑکی ہو۔'' اس کے نا چاہنے کے باوجود شاہ میر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھنے پر مجبور کر دیا تھا۔

وہ دو کے قریب آکر شاہ زیب نے صحن کی جانب نگاہ ڈالی تھی، جہاں طروب اور شاہ میر کرسیوں پر بیٹھے تھے، شاہ میر اس سے کوئی بات کہہ رہا تھا جسے وہ سر جھکائے سن رہی تھی، ان دونوں کو دیکھتے ہوئے اس کے ذہن میں ایک خیال نے سر اٹھایا تھا، دل نے بھی جس کی تائید کی تھی، اسی بارے میں سوچتا وہ وہ دو سے دور ہٹ گیا تھا۔

☆☆☆

انسان کی خواہشات بھی لامحدود ہیں، ایک پوری ہوتی نہیں کہ دوسری راستے میں آ کھڑی ہوتی ہے، بعض اوقات زندگی جیسے خواہشات کا ایک سفر لگتی ہے جو کبھی مکمل ہوتا ہی نہیں، نہ جانے کتنی ان گنت خواہشات تو انسان دل میں ہی چھپائے فنا ہو جاتا ہے، اس سفر میں۔

شادی کے دس سال بعد قدسیہ اور شکیب حسن کو قدرت نے اولاد کی نعمت سے نوازا تو جیسے

صحرا جل تھل ہو گیا، وہیں دونوں کے دل میں بیٹے کے بعد ایک بیٹی کی خواہش نے بھی جڑ پکڑ لی، بس ایک بیٹی کی ہی کمی رہ گئی تھی ان کی زندگی میں مگر اللہ کی مصلحت کہ قدسیہ دوبارہ ماں نہ بن سکیں، بیٹے کی پرورش میں گم ہو کر بھی وہ ایک بیٹی کی خواہش کو بھول نہ سکی تھیں، وقت انتظار اور امید کے درمیان گزرتا رہا۔

کالج میں ایڈمیشن کے لئے جب شاہ زیب کو اپنے چھوٹے شہر سے ایک بڑے شہر کی جانب رخصت ہونا پڑا تو گھر کے سناٹے اور خاموشی سے ہول کر قدسیہ نے ایک عجیب فیصلہ شکیب حسن کے ساتھ مل کر کیا، وہ ایک بچی ایڈاپٹ کرنا چاہتی تھیں، بہت سوچ بچار کے بعد ان دونوں نے بیٹے سے بھی اس بارے میں بات کی تھی، اسے کوئی اعتراض نہ تھا کیونکہ شروع سے ہی وہ اپنے ماں باپ کی اس شدید خواہش سے آگاہ تھا، اس کے لئے یہ زیادہ حیرت کی بات نہیں تھی اور پھر بالآخر قدسیہ اور شکیب حسن بہت چاہت اور ارمانوں کے ساتھ چھ سال کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں اور معصوم چہرے والی اپنی بیٹی کو گھر لے آئے، شکیب حسن نے اسے طروب نام دیا جو کہ اپنی بیٹی کے لئے انہوں نے بہت پہلے سے سوچ رکھا تھا، دونوں میاں بیوی طروب کو پا کر بے حد مسرور تھے، گھر کے سناٹے ٹوٹ گئے، ایک انوکھی سی رونق گھر کے در و دیوار پر چھا گئی تھی، یہ سب طروب کے مرہون منت تھا، بس چند دنوں ہی لگے تھے اسے قدسیہ اور شکیب حسن سے مانوس ہونے میں، دونوں کو ایک نئی مصروفیت اور ایک ذمہ داری بھی مل گئی تھی جسے وہ پوری ایمانداری سے نبھانے کی نیت رکھتے تھے، ویک اینڈ پر شاہ زیب جب گھر آیا تو پہلی بار اس نے طروب کو دیکھا، دو پونیاں باندھے، فراک پہنے اپنی ماں کا پلو پکڑے ان کے پیچھے پیچھے گھومتی اس مخلوق نے اسے کچھ کوفت میں مبتلا کیا تھا مگر شاہ میر جو اس کے ساتھ ہی ہاسٹل سے گھر آیا تھا، طروب کو دیکھ کر بہت ہنسا تھا، سارا وقت وہ طروب کو تنگ کرتا رہا تھا اور طروب اس سے ڈر ڈر کر کبھی قدسیہ، کبھی شکیب حسن کے پہلو میں چھپتی رہی تھی، قدسیہ کے بہت سمجھانے کے باوجود وہ شاہ زیب اور شاہ میر سے دور دور اور سہمی سہمی ہی رہی تھی۔

قدسیہ ایک پرائیویٹ اسکول کی پرنسپل تھیں، طروب کا ایڈمیشن بھی انہوں نے اسی اسکول میں کروایا تاکہ طروب ان کے قریب اور نظروں کے سامنے رہے، گھر میں بھی وہ قدسیہ اور شکیب حسن کی توجہ کا مرکز بنی رہتی، دونوں جہاں جاتے طروب ان کے ساتھ ساتھ ہوتی، ان دونوں کا حلقہ احباب زیادہ وسیع نہیں تھا مگر سب نے ہی طروب کو ان کی بیٹی کی حیثیت سے بخوشی قبول کیا تھا، طروب بہت ذہین اور فرمانبردار ثابت ہوئی تھی، مہذب طور طریقے، صحت مند ماحول مہیا کرنے والے، سکھانے والے ماں باپ کے زیر سایہ اس کی شخصیت نکھرنے لگی تھی، جیسے جیسے وہ بڑی ہو رہی تھی، قدسیہ کے بے حد قریب ہو چکی تھی، دونوں ماں بیٹی کے ساتھ ساتھ سہیلیاں بھی تھیں، قدسیہ گھر کے معاملات میں بھی اس سے مشورہ لیے بغیر کوئی قدم نہ اٹھاتی تھیں، طروب سے وہ دل کی ہر بات کر لیتی تھیں، شوہر سے یا بیٹے سے کوئی شکایت ہوتی تو وہ اس کے سامنے ہی بول کر دل کو ہلکا کر لیتیں، پھر جب طروب ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر یاد دلاتی کہ شکیب حسن اور شاہ زیب ان سے کتنی محبت کرتے ہیں تو اس کے یہ چند جملے سن کر وہ ساری شکایتیں بھول جاتیں، شکیب حسن اگر قدسیہ سے کسی بات پر ناراض ہو

جاتے تو اپنے ہر کام کے لئے طروب کو ہی پکارتے، طروب کو ان کی خدمت کر کے بہت خوشی ملتی تھی لیکن وہ ان کو قدسیہ سے ناراض بھی نہیں دیکھ سکتی تھی، لہٰذا ان کو منا کر وہ قدسیہ سے ان کی صلح کروا دیتی، زندگی کا یہ فیز بہت خوبصورت تھا، شکیب حسن اور قدسیہ کی زندگی میں اس کی قدر و اہمیت کسی طور شاہ زیب سے کم نہیں تھی، البتہ وقت کے ساتھ ساتھ بھی اس کے اور شاہ زیب کے درمیان تکلف کی دیواریں نہ گر سکیں، نہ ہی دوری کم ہوئی، جب تک وہ چھوٹی تھی قدسیہ خود شاہ زیب کو اس کی طرف متوجہ کرتیں ورنہ تو شاہ زیب کے لئے اس کا ہونا نہ ہونا ایک برابر تھا، جب سمجھ دار ہوئی تو شاہ زیب کا نظر انداز کرنا اسے بہت محسوس ہوتا رہا تھا، لیکن یہ سچ تھا کہ شاہ زیب کی آمد اسے بہت اچھی لگتی تھی، اس کی سنجیدہ، پروقار شخصیت کی بناء پر طروب کی اس سے جھجک کبھی ختم نہ ہو سکی، شاہ میر کو وہ مخاطب کر لیا کرتی تھی، کیونکہ وہ خود بہت باتونی اور ضرورت سے زیادہ خوش اخلاق تھا، طروب کو کبھی بھی بہت حیرت ہوتی کہ اتنی متضاد عادتوں کے باوجود شاہ زیب اور شاہ میر کے درمیان اتنی گہری دوستی تھی، طروب کو شاہ میر کے گھر جانا بھی بہت پسند تھا، شاہ میر کے والد شہباز حسن کے گھر میں سب ہی اسے بہت پیار کرتے تھے، شکیب حسن کے یہ ایک ہی چھوٹے بھائی تھے، جن کی تین اولادیں تھیں، دو بیٹے اور ایک بیٹی، سب سے چھوٹا شاہ میر تھا، شاہ میر کی بہن کی شادی ہونے تک سب کچھ ٹھیک تھا، اس کے بعد ایک ہولناک خبر آئی کہ شہباز حسن کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے، حادثے میں ان کی بیوی بھی گاڑی میں ان کے ساتھ موجود تھیں، جو زخمی تھیں ان سب کے لئے یہ ایک ناقابل برداشت صدمہ تھا مگر شکیب حسن تو بالکل ہی نڈھال ہو گئے، اکلوتے بھائی کی اس ناگہانی موت نے ان کو بری طرح جھٹک کر رکھ دیا تھا، سب نے ہی ان کی دلجوئی کی، ان کی زندگی کی طرف لانے کی بہت کوشش کی مگر وہ پھر مسکرا نہیں سکے کبھی، اندر ہی اندر پلتے دکھ نے ان کو ہارٹ پیشنٹ بنا دیا تھا، شاہ زیب اور شاہ میر کی اسٹڈیز ابھی جاری تھی، اسی دوران شاہ میر کے بڑے بھائی اپنے بیوی بچوں اور ماں کے ساتھ متحدہ عرب امارات شفٹ ہو گئے، انہوں نے شاہ میر کو بھی ساتھ لے جانے کی کوشش کی تھی مگر اسٹڈیز اور پھر شاہ زیب کی وجہ سے وہ ملک چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہوا۔

اپنی اسٹڈیز کے دوران شاہ زیب کو ایجوکیشن کے نظام سے بہت شکایتیں رہی تھیں، شاہ میر اور وہ دونوں ہی اسٹڈیز مکمل کرنے کے بعد ایجوکیشن کے شعبے سے متعلق پریکٹیکل لائف کا آغاز کرنا چاہتے تھے اور پھر ایسا ہی ہوا، دونوں کی دن رات کی محنت سے ایک اکیڈمی کی بنیاد قائم ہو گئی، اس مصروفیت میں شاہ زیب اپنے ماں باپ سے بالکل غافل نہیں رہا، دل ہی دل میں وہ طروب کا شکر گزار تھا کہ کتنی دلجمعی سے اس کے ماں باپ کے ساتھ ساتھ گھر کے نظام کو بھی سنبھال رہی ہے، قدسیہ کے لاکھ سمجھانے کے باوجود طروب نے کالج کی تعلیم کا آغاز پرائیویٹ طور پر ہی کیا، وہ کسی بھی طرح شکیب حسن اور قدسیہ سے چند گھنٹوں کے لئے بھی دور نہیں جانا چاہتی تھی، اب ان دونوں کو اس کی زیادہ ضرورت تھی، دونوں اب عمر کے اس حصے میں تھے جہاں ان کو اب اولاد کی توجہ کی، ان کے وقت کی ضرورت تھی، یہ سب شاہ زیب بھی جانتا تھا، اس نے کئی بار ماں باپ سے کہا کہ وہ دونوں اس کے ساتھ چلیں اب اس شہر میں کیا رکھا ہے مگر

نہ شکیب حسن تیار ہوئے نہ قدسیہ، جو ذمہ داریاں شاہ زیب کی تھیں طروب نے وہ بھی بخوبی سنبھال لیں، اس کے دن رات شکیب حسن اور قدسیہ کی خدمت اور اپنی پڑھائی میں گزرتے ہوئے تھے، شکیب حسن کی گرتی صحت اور اپنے کچھ ہیلتھ پرابلمز کی بناء پر بہت پہلے ہی قدسیہ پرنسپل کی جاب سے ریزائن کر چکی تھیں، گزرتے وقت اور بدلتے حالات نے قدسیہ کو طروب کی طرف سے فکرمند کرنا شروع کر دیا تھا، فکرمند صرف وہی نہیں شکیب حسن بھی تھے۔

جب انہوں نے طروب کے لئے شاہ زیب کا نام لیا تو شوہر کی زبان سے اپنے دل کی بات سن کر قدسیہ کو یک گونہ سکون حاصل ہوا تھا، طروب کیسے اس فیصلے سے بے خبر رہ سکتی تھی کو کہ قدسیہ نے صاف طور پر اس سے کوئی بات نہ کی تھی، طروب کو یہ بات نہ بہت عجیب لگی نہ اس بات نے اسے ورطہ حیرت میں ڈالا، گزرے کچھ ماہ و سال میں اتنا بدلاؤ تو آیا تھا کہ شاہ زیب اسے مخاطب کر لیتا تھا، گھر سے دور فون پر وہ ماں باپ کی صحت یا گھر کے معاملات کے بارے میں اس سے بات کر لیتا تھا، کبھی اس کی اسٹڈیز کے بارے میں اور خیریت بھی پوچھ لیتا تھا اور یہ بھی کہ اسے کسی چیز کی ضرورت تو نہیں، طروب کو بہت خوشی ہوئی تھی اس کی سرسری اپنائیت پر بھی، شکیب حسن اور شاہ زیب گھر اور اس کی زندگی کے بھی مضبوط سہارے تھے اور وہ ان دونوں سے بہت محبت رکھتی تھی۔

قدسیہ کو یہ اندازہ ہی نہیں ہو سکا تھا کہ ان کے بیٹے کی زندگی میں پہلے سے ہی ایک لڑکی موجود ہے، شہرینہ سے شاہ زیب کی ملاقات ایک بنک میں ہوئی تھی جہاں وہ جاب کرتی تھی۔

ظاہر ہے اس کی طرف متوجہ ہونے کی پہلی وجہ اس کی بلا کی خوبصورتی ہی تھی، بقول شاعر میر کے کہ اور کوئی وجہ ہی نہیں تھی صرف اس خوبی کے علاوہ شہرینہ کے پیچھے خوار ہونے کی۔

شاہ زیب اس کا طنز ان سنی کر دیتا تھا کہ یہ کچھ غلط بھی نہیں تھا، خود اس پر شہرینہ کے جوہر آہستہ آہستہ کھلے، بنک کی جاب اس کا ٹارگٹ نہیں تھی، اس کی دلچسپی فیشن ڈیزائننگ اور ماڈلنگ میں تھی، شاہ زیب سے تعلق گہرا ہونے تک وہ ماڈلنگ کی فیلڈ میں قدم رکھ چکی تھی، شاہ زیب بہت کنزرویٹو تو نہیں تھا، مگر اس حد تک براڈ مائنڈ بھی نہیں تھا کہ اس عورت کو مجمعے میں کیٹ واک کر کے اپنی نمائش کرواتا دیکھ سکتا جسے وہ اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہے، زور زبردستی کرنا اس کی خصلت میں شامل نہیں تھا، وہ جانتا تھا کہ فنکشنلی طور پر شہرینہ ویک ہے، شاہ زیب کے روکنے پر اس نے ماڈلنگ سے خود کو روک لیا تھا مگر شاہ زیب یہ نہیں جانتا تھا کہ اس نے صرف وقتی طور پر ایسا کیا ہے نہ صرف شاہ زیب کو متاثر کرنے کے لئے بلکہ اس کی سپورٹ حاصل کرنے کے لئے، البتہ مصلحت کے تحت اس نے فیشن ڈیزائننگ سیکھنے اور اس میں کام اور تجربہ حاصل کرنے تک خود کو مصروف کر لیا۔

شاہ زیب کے دل میں واقعی اس کی قدر بہت بڑھ گئی تھی کہ وہ اس کی ناراضی کے ڈر سے اپنے جنون کو ترک کر گئی تھی۔

ایسے میں اپنے ماں باپ کی خواہش اور فیصلے کو سن کر اس کا ششدر ہو جانا ایک فطری عمل تھا، وہ کسی گستاخی کا مرتکب نہیں ہونا چاہتا تھا لہٰذا بہت نرمی سے اس نے شکیب حسن اور قدسیہ کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ طروب اور اس کا میچ بہت مضحکہ خیز ہے، عمر کے بارہ پندرہ سال کے فرق کو نظر انداز کرنا اس کے لئے ناممکن ہے، وہ

کسی میچور لڑکی سے شادی کرے گا جس سے اس کی ذہنی ہم آہنگی ہو، اسے یہی بہتر لگا تھا کہ وہ شہرینہ کے بارے میں سب کو بتا دے اور اس نے ایسا ہی کیا تھا، شکیب حسن اور قدسیہ کا ردعمل سرد تھا مگر وہ مایوس نہیں ہوا تھا، لہٰذا سارے معاملے سے شہرینہ کو آگاہ کر کے وہ ایک دن اسے ساتھ لے آیا قدسیہ اور شکیب حسن سے ملوانے۔

ناگواری کے باوجود قدسیہ بہت اچھی طرح شہرینہ سے ملی تھیں مگر اس کا ضرورت سے زیادہ محبت اور لگاؤ کا اظہار قدسیہ کو اندر ہی اندر بددل کر گیا تھا، شکیب حسن کا رویہ سنجیدہ ہی تھا، شہرینہ کی آمد پر انہوں نے نہ کسی خوشی کا اظہار کیا نہ ہی ناگواری کا۔

طروب کو تو ہر صورت شہرینہ کا استقبال کرنا ہی تھا، سارا وقت وہ شہرینہ کے آگے پیچھے ہی گھومتی رہی تھی، سارا دن گزار کر جب شہرینہ اور شاہ زیب رخصت ہوئے تو ایک جامد خاموشی ہر سمت چھا گئی، قدسیہ اور شکیب حسن اپنی اپنی جگہ بالکل خاموش اور سوچ میں گم نظر آئے، جان بوجھ کر طروب بہت دیر تک شہرینہ کی تعریفیں کر کے ان کو بولنے پر مجبور کرتی رہی تھی، مگر ان دونوں کو زیادہ دلچسپی نہ لیتے دیکھ کر خاموش ہو گئی۔

شاہ زیب مایوس نہیں ہوا تھا یہ جان کر بھی کہ شہرینہ سے ملنے کے بعد بھی اس کے ماں باپ قائل نہیں ہوئے، اس معاملے میں اسے درمیان میں طروب کو لانا پڑا تھا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اس کے ماں باپ طروب کی بات نہیں ٹالیں گے اور طروب اس کی بات نہیں ٹال سکتی تھی، اسے جب موقع ملتا وہ قدسیہ اور شکیب حسن سے شہرینہ کے بارے میں بات کرتی، اس کی ان خوبیوں کا ذکر کرتی جن کے بارے میں اسے خود بھی پتہ نہیں تھا، طروب نے ہی شاہ زیب سے کہا تھا کہ شہرینہ کو فون پر قدسیہ سے رابطہ رکھنا چاہیے اور ایسا ہی ہوا تھا، بہرحال کوششیں جاری تھیں، طروب جانتی تھی کو قدسیہ اور شکیب حسن، شہرینہ کو ناپسند نہیں کرتے مگر وہ بس شاہ زیب کے ساتھ طروب کے علاوہ کسی دوسری لڑکی کو سوچنا بھی نہیں چاہتے تھے، ایسے میں اپنے لئے ان کی فکر اور محبت پر جہاں اس کا دل پگھلنے لگتا وہیں وہ اس چیز کے لئے شرمسار بھی کہ اس کا وجود شاہ زیب کی چاہت کے آگے دیوار بن گیا ہے، شکیب حسن کو قائل ہونا تھا نہ وہ ہوئے، ان کی آخری خواہش سے اندازہ ہو گیا تھا، ان کے دنیا سے گزر جانے کے بعد قدسیہ سے اس معاملے پر بات کرنا بیکار تھا، شاہ زیب نے ان سے کہہ دیا تھا کہ جب تک وہ اپنی خوشی اور رضا سے شہرینہ کو قبول نہیں کریں گی وہ شادی نہیں کرے گا، شاہ زیب کے اس فیصلے پر قدسیہ نے خاموشی ہی اختیار رکھی مگر اپنے آخری وقت میں مرحوم شوہر کی وصیت بیٹے کو یاد دلاتے ہوئے انہوں نے طروب کی ذمہ داری شاہ زیب کے حوالے کر دی تھی جس سے وہ بیزار نہیں تھا مگر اسے اس طرح بھی اپنے کاندھوں پر نہیں اٹھانا چاہتا تھا جس طرح اس کے ماں باپ چاہتے تھے۔

☆☆☆

پورے گھر کا جائزہ لینے کے بعد وہ ٹیرس کی طرف آ گئی تھی، کچھ دیر پہلے ہی وہ تینوں پہنچے تھے، سفر کے دوران اس نے محسوس کر لیا تھا شاہ زیب کا انجان، لاتعلق رویہ، وہ جانتی تھی کہ وہ شاہ زیب کے سر پر مسلط ہونے کے بعد اب اس کے گھر میں بھی ڈیرا ڈال رہی ہے اس کی مرضی کے خلاف لیکن وہ اور کر بھی کیا سکتی تھی، شکیب حسن اور قدسیہ کی جدائی کے بعد اگر وہ زندہ تھی، تو

صرف شاہ زیب کے سہارے، اس سے الگ تنہا کہیں رہنے کا سوچ کر بھی وہ اپنی سانسیں رکتی محسوس کر رہی تھی، قدموں کی آہٹ پر اس نے چونک کر شاہ میر کو دیکھا تھا۔

''اب تو مطمئن ہو، کوئی پریشانی تو نہیں؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔

''جی..... مگر آکا جان۔''

''اس کی فکر چھوڑو اور میری بات ذرا غور سے سنو۔'' طروب کی بات کاٹتا وہ کچھ راز دارانہ انداز میں بولتا اسے چونکا گیا تھا۔

''شاہ زیب فون پر شہرینہ سے بات کر رہا ہے، کل وہ تم سے ملنے یہاں آرہی ہے، ہوسکتا ہے کہ وہ تم سے کوئی ایسی بات کہے جو تمہیں ناگوار گزرے، کوئی لحاظ مت رکھنا، اس کی کوئی بات ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''مگر وہ مجھ سے ایسی کیا بات منوانا چاہے گی؟'' وہ حیران ہو کر بولی تھی۔

''یہ جلد ہی تمہیں پتہ چل جائے گا، ابھی کوئی سوال مت کرو، بس یہ ذہن میں رکھو کہ تمہیں اب اس گھر سے کہیں نہیں جانا ہے۔''

''میں کہیں اور جانے کا سوچ بھی نہیں سکتی شاہ، آپ مجھے کیوں خوفزدہ کر رہے ہیں؟ شہرینہ کیا مجھے آکا جان کے ساتھ نہیں رہنے دے گی؟'' انجانا سا خوف طروب کے لہجے اور چہرے پر چھا گیا تھا۔

''میں تمہیں خوفزدہ نہیں بلکہ آگے کی صورتحال سے ہوشیار کر رہا ہوں، تمہیں کیا لگتا ہے کہ تایا اور تائی جان کی آخری خواہش کو جاننے کے بعد بھی وہ تمہیں شاہ زیب کے ساتھ اس گھر میں برداشت کرے گی؟'' شاہ میر کے تمکین لہجے پر وہ کچھ بول نہیں سکی تھی۔

''لیکن جب تک ان کی شادی آکا جان سے نہیں ہو جاتی تب تک تو ان کو یہاں میری موجودگی برداشت کرنی ہوگی۔'' وہ مدھم لہجے میں بولی تھی۔

''تمہارا دماغ درست ہے، جو غلطی شاہ زیب کرنا چاہتا ہے اس میں تم اس کی مدد کر رہی ہو۔'' شاہ میر کے ناگواری سے ڈپٹنے پر وہ سر جھکائے چپ رہی تھی۔

''پہلی بات تو یہ کہ وہ اگر شادی کرنے والی ہوتی تو پانچ سال سے تمہارے آکا جان کو خوار نہ کر رہی ہوتی بالفرض اگر اچانک یہ معجزہ ہو جائے کہ وہ شادی فوری طور پر کرنے کے لئے تیار ہو بھی جاتی ہے تو سب سے پہلے اس گھر میں آکر اس نے تمہیں یہاں سے نکالنا ہے، میری باری تو بعد میں آئے گی۔'' شاہ میر کے یہ کہنے پر وہ بس رکی سانسیں کے ساتھ ساکت نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''مگر تمہیں اس گھر میں ہی نہیں شاہ زیب کی زندگی میں بھی اپنے قدم مضبوطی سے جمانے ہیں، تم سمجھ رہی ہو، میرے کہنے کا مقصد؟'' شاہ میر کے سوال پر وہ کچھ بول نہیں سکی تھی۔

''میں نے تو بہت کوشش کر لی مگر اب صرف تم ہی شاہ زیب کو شہرینہ کے سحر سے نکال سکتی ہو اور اس کے لئے تمہارا اس گھر میں رہنا بہت ضروری ہے۔'' شاہ میر کے مزید کہنے پر وہ بس خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتی رہی تھی۔

''ایم سوری، میں نے یہاں آتے ہی تمہیں پریشان کر دیا مگر تمہیں خبردار کرنا بھی ضروری تھا۔'' اس کی خاموشی اور اترے چہرے نے شاہ میر کو شرمندہ کر دیا تھا۔

''میں پریشان تو پہلے سے ہوں شاہ، میں کس حق سے آکا جان کی زندگی میں جگہ بنا سکوں گی، زبردستی زمین پر تو قبضہ جمایا جا سکتا ہے مگر کسی

کے دل پر تسلط نہیں حاصل کیا جا سکتا، شہرینہ کو ان سے الگ کرکے میں ان کی نظروں میں گر جاؤں گی۔'' وہ نم آنکھوں کے ساتھ بولی تھی۔

''تم ایسا کچھ نہیں کر رہی ہو، جو تم کرتو شہرینہ شاہ زیب سے چمٹی ہے خیر اس بارے میں ہم بعد میں بات کریں گے، ابھی ایک زحمت کرو، اچھی سی چائے بناؤ، ہم تینوں کو ہی اس کی شدید ضرورت ہے۔'' شاہ میر کے بات ختم کرنے والے انداز پر وہ غائب دماغی سے سر ہلاتی اس کے پیچھے ہی ٹیرس سے نکل گئی تھی، وہ کچن میں چائے بنا رہی تھی جب شاہ زیب کے چند دوست تعزیت کی غرض سے آپہنچے تھے، شاہ میر کی اطلاع پر اس نے ان سب کے لئے بھی چائے تیار کی تھی، دوستوں کو رخصت کرنے کے بعد شاہ زیب اور شاہ میر کو بھی کسی کام سے باہر جانا تھا، ان دونوں کے جانے کے بعد وہ عجیب سی گھبراہٹ محسوس کرتی ٹیرس کی کھلی فضا میں آگئی تھی، دائیں جانب وسیع گراؤنڈ میں کرکٹ میچ جاری تھا جبکہ بائیں طرف گارڈن ایریا میں بھی کافی چہل پہل تھی، شکیب حسن کی زندگی میں وہ اور قدسیہ کئی بار یہاں آئے تھے، ہر بار دو چار دن رک کر ہی ان کی واپسی ہوتی، وہ یہاں کے ماحول سے مانوس تھی مگر پہلے اور اب میں بہت فرق تھے، دو مہربان ہستیوں کے بغیر اسے یہ دنیا ہی بہت نامانوس اور اجنبی لگ رہی تھی، شکیب حسن اور قدسیہ کو یاد کرتے ہوئے اس کی آنکھیں برستی رہی تھیں۔

☆☆☆

''صرف دو گھنٹے کا سفر تھا، اپنی مصروفیات میں تم اتنا وقت نہیں نکال سکتی تھیں۔'' وہ شکایت کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا مگر بلا ارادہ ہی وہ کہہ گیا۔

''ایم سوسوری شیزی، فیشن شو کی تیاری چل رہی ہے، ریہرسل دن رات ہو رہی ہیں اور پھر تم تو جانتے ہو میرا اپنے ایک کمپائن پروجیکٹ پر بھی کام کر رہی ہوں، اپنا کلیکشن لاؤنچ کرنا بہت محنت اور وقت مانگتا ہے، لیکن دو رو کر بھی میں بہت ڈسٹرب تھی، بار بار تمہارے دکھ پر میرا دل بھاری ہو رہا تھا، آنٹی کو تو ابھی ہماری خوشیاں دیکھنی تھیں۔'' بات ادھوری چھوڑ کر شہرینہ نے اپنی میک اپ سے غضب ڈھاتی آنکھوں کی نہ نظر آنے والی نمی کو ٹشو میں جذب کیا تھا، اس کے لہجے کی آزردگی اس کے چہرے کے تاثرات سے میل کھانے کو تیار نہ تھی، اسی دوران ویٹر کافی اور اسنیکس سرو کرنے ٹیبل کے قریب آگیا تھا، دونوں کے درمیان چند لمحوں کی خاموشی چھا گئی تھی۔

''گھر کے کاغذات وغیرہ تو ساتھ لائے ہو گے تم، آخر اپنے ماں باپ کے تم اکلوتے وارث ہو۔'' ویٹر کے جاتے ہی شہرینہ نے پہلی بات یہی کی تھی، شاہ زیب کو حیرت نہیں ہوئی تھی، اس کی فطرت وہ جانتا تھا، سچ تو یہ تھا کہ اپنی زندگی میں اس نے شہرینہ سے زیادہ مادہ پرست کسی اور کو نہیں دیکھا، زر، زمین، روپیہ پیسہ یہ اس کے لئے بہت اہمیت رکھتا تھا، لیکن اس وقت شاہ زیب کو یہ چیز شدید ناگوار گزری تھی۔

''طروب کے بارے میں نہیں پوچھو گی؟'' شاہ زیب کے سرد لہجے پر وہ کچھ گڑبڑائی تھی۔

''ہاں میں پوچھنے ہی لگی تھی، اس بے چاری پر تو قیامت گزر رہی ہوگی، تمہارے ماں باپ کے سوا اس کا تھا ہی کون اس دنیا میں۔''

''میں ابھی زندہ ہوں اس کے لئے۔'' شاہ زیب نے اس کی بات کاٹی تھی جس پر اس کے تاثرات بدلے تھے۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟''

''یہ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میرے ماں باپ کے بعد اب وہ میری ذمہ داری ہے، تمہیں یہاں آنے کی زحمت میں نے اس لئے دی تھی کہ تمہیں بتا سکوں، میں طروب کو اپنے ساتھ لے آیا ہوں۔''

''شیزی! میں جانتی ہوں تم اپ سیٹ ہو، مگر یہ مشکل کا حل نہیں ہے، میں ابھی بہت کچھ حاصل کرنا چاہتی ہوں، معاشرے میں اپنا ایک مقام بنانا ہے مجھے، اب اس مرحلے میں آ کر شادی کی ذمہ داری سر پر لینا بہت بڑا رسک ہے، میری محنت برباد ہو سکتی ہے، فی الحال میں اپنی توجہ اپنے کام پر رکھنا چاہتی ہوں، تم تو جانتے ہو سب۔''

''شہرینہ! ابھی اور کتنا اور کیا کچھ حاصل کرنا ہے تمہیں، پانچ سال سے میں تمہاری رضامندی کا انتظار کر رہا ہوں، میرے ماں باپ اپنے اکلوتے بیٹے کا گھر آباد ہونے کی خواہش کے ساتھ، بیٹے کی اولاد کو دیکھنے کی حسرت کے ساتھ اس دنیا سے چلے گئے ہیں اور تمہیں اب بھی مجھ سے شادی کرنا ایک رسک لگ رہا ہے، یہ تو میں جانتا ہی تھا، کہ تمہیں مجھ سے زیادہ اپنے نام، مقام اور کریئر کی فکر ہے لیکن مجھے یہ امید ضرور تھی کہ اس مشکل وقت میں تم مجھے اور طروب کو پہلے اہمیت دو گی۔'' شاہ زیب کے اکھڑے لہجے اور سرخ چہرے نے شہرینہ کا رنگ فق کیا تھا، کہ شاہ زیب کے بدظن ہو جانے کا مطلب ایک نقصان ہی تھا، وہ اتنی بے وقوف نہیں تھی کہ مالی طور پر حاصل ہونے والی سپورٹ کو گنوا دیتی۔

''شیزی! تم جانتے ہو اپنے کام کے لئے میں کس حد تک جنونی ہوں، میرا سب کچھ تمہارا ہی تو ہے، مجھ پر تمہارے جو احسانات ہیں ان کو اتارنے کے لئے تو میری جان بھی بہت تھوڑی ہے، تم سے زیادہ کوئی مجھے نہیں جانتا پھر بھی تم میری نیت پر شک کر رہے ہو، تم نے ہمیشہ میرے لئے اتنے مہربان اور نرم خو رہے ہو کہ مجھے اپنی بات تم سے منوانے کی عادت ہو چکی ہے، میری اس عادت کو خود غرضی کا نام دے کر تم نے مجھے میری نظروں میں گرا دیا ہے۔'' شہرینہ کے دلگیر لہجے پر وہ گہری سانس لیتا اس کی طرف متوجہ ہوا تھا، اس کے حسین چہرے پر پھیلے حزن نے اسے اپنا لہجہ درست رکھنے پر مجبور کیا تھا۔

''میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا، میں نے بہت کوشش کی کوئی حل نکل آئے مگر ایسا نہیں ہوا، شادی کے علاوہ میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں ہے۔''

''ایک راستہ اور ہے شیزی، ہم طروب کے رہنے کا انتظام کسی اچھے ہاسٹل میں کر دیتے ہیں۔''

''یعنی تم ایک بار پھر ہماری شادی کے معاملے کو پس پشت ڈال رہی ہو۔'' شاہ زیب نے بات کاٹی تھی۔

''صرف مہلت مانگ رہی ہوں، فی الحال جو کام جاری ہیں ان کو مکمل کرنا ضروری ہے، ویسے بھی کچھ دن بعد مجھے دوبئی روانہ ہونا ہے، اسی لئے کہہ رہی ہوں کچھ وقت کے لئے طروب کو ہاسٹل بھیج دو۔''

''ٹھیک ہے، اب شادی کے معاملے کو لے کر میں تم سے دوبارہ کوئی بات نہیں کروں گا، رہ گئی بات طروب کے ہاسٹل جانے کی تو یہ مشورہ مجھے شاہ میر بھی دے چکا ہے لیکن مجھے نہیں لگتا کہ طروب ہاسٹل جانے کے لئے راضی ہو گی۔''

''یہ تم مجھ پر چھوڑ دو، میں کل آ رہی ہوں اس سے ملنے، اسے سمجھاؤں گی، ویسے بھی یہ میرے لئے برداشت کرنا ناممکن ہے کہ وہ اس

طرح تمہارے ساتھ، تمہارے گھر میں رہے، طروب کی اہمیت اپنی جگہ لیکن تم پر اور تمہارے گھر سمیت ہر چیز پر صرف اور صرف میرا حق ہے۔''

شہرینہ کے جتانے والے انداز اور لہجے کے استحقاق پر شاہ زیب نے ایک سنجیدہ نگاہ اس پر ڈالی تھی مگر کچھ کہا نہیں تھا۔

☆☆☆

رات کے دس بج رہے تھے، لاؤنج میں صوفے پر گہری سوچ میں گم وہ کال بیل کی آواز پر بری طرح چونکی سرعت سے اٹھی تھی، دروازہ کھولتے ہوئے طروب نے تیزی سے اندر آتے شاہ میر کو راستہ دیا تھا جو شاپر ہاتھ میں پکڑے سیدھا یقیناً کچن کی طرف گیا تھا، طروب نے بس ایک نظر شاہ زیب کو دیکھا تھا، اس کی سرخ سوجی آنکھوں سے نگاہ چراتا وہ دروازہ بند کرنے لگا تھا، طروب خاموشی سے جانے کے لئے پلٹ رہی تھی جب شاہ میر کی پکار پر اسے تیزی سے کچن کی سمت آنی تھی، شاہ میر کے تیور اسے کافی بگڑے نظر آ رہے تھے۔

''میں کھانا نکال رہا ہوں، تم پلیٹیں ٹیبل پر رکھو۔'' اس نے کچھ ایسے سخت سنجیدہ لہجے میں ہدایت دی تھی کہ طروب سہمی نظروں سے اسے دیکھتی اس کی ہدایت پر سرعت سے عمل کر کے کاؤنٹر کی طرف آ گئی تھی۔

''آپ کہہ گئے تھے کہ کھانا باہر سے لیتے آئیں گے ورنہ میں گھر میں ہی کچھ بنا لیتی۔'' کچھ سنبھل کر طروب نے اسے مخاطب کیا تھا۔

''اس گھر میں سوکھے سڑے سینڈوچ اور آملیٹ کے علاوہ بن ہی کیا سکتا ہے۔'' جس طرح بپھر کر بولتے ہوئے شاہ میر نے اسے پریشان کی ڈش تھمائی تھی، ایک پل کو تو وہ سن ہو گئی تھی اس کے غصیلے تاثرات پر۔

''یہ بس نام کا گھر ہے، گرہستی بنائے بھی کون یہاں پر، جسے اس گھر کی عزت بنانے کا جنون سوار ہے تمہارے آ کا جان پر اسے تو دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹنے اور جمع میں تھرکنے سے فرصت نہیں ہے، عزت کسے چاہیے، کون پوچھتا ہے عزت کو دولت کی چمک دمک کے سامنے، پھر بھی غیرت بھلا کر دنیا لگی ہے حسین اداؤں کو سجدہ کرنے میں۔'' کچن میں آتے ہوئے اس نے گہری سانس لے کر شاہ میر کو دیکھا تھا جو غصیلے انداز میں طروب کے سامنے دل کی بھڑاس نکال رہا تھا، جبکہ طروب بھاپ اڑاتی بریانی کی ڈش ٹیبل پر رکھتی ایک پریشان نگاہ شاہ زیب پر ڈال کر رہ گئی تھی، البتہ یہ تو اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ شاہ زیب اور شاہ میر کے درمیان کسی معاملے کو لے کر تنازعہ اٹھا ہے۔

''پہلے کھانا کھا لو پھر جو کچھ کہنا ہے مجھ سے کہنا، سنوں گا۔'' شاہ زیب کے پرسکون لہجے پر وہ چند ثانیے اسے گھورتا رہا تھا مگر پھر ناگواری سے سر جھٹکتا ٹیبل کے گرد آ بیٹھا تھا۔

''تم کیوں کھڑی ہو بیٹھو۔'' شاہ میر کے بگڑے ہوئے ہی لہجے پر وہ کرسی کھینچ کر فوراً بیٹھی تھی اور پھر کن آنکھیوں سے ان دونوں کے تاثرات کا جائزہ لے کر چمچے سے اپنی پلیٹ میں تھوڑے چاول نکال لیے تھے۔

''کھانا ٹھیک طرح کھاؤ، خود کو بھوکا رکھ کر تم اس شہر کے ڈھیٹ لوگوں کا مقابلہ نہیں کر سکتیں، جبکہ تمہیں یہیں رہنا ہے، اس گھر کو تم نے ہی سنبھالنا ہے، میں بھی دیکھتا ہوں کون یہاں آ کر تمہاری جگہ چھیننا ہے۔'' شاہ میر نے جس طرح طروب کو مخاطب کر کے شاہ زیب کو سنایا تھا، اس کے بعد وہ خاموش نہیں رہ سکا تھا۔

''میں تم سے کہہ چکا ہوں، جو کہنا ہے

کھانے کے بعد میرے سامنے، مجھ سے کہنا، بہتر یہی ہے کہ تم ابھی خاموش رہو۔'' شاہ زیب کے لہجے میں تنبیہ چھپی تھی جبکہ طروب فق چہرے کے ساتھ چپ بیٹھی تھی۔

''کیوں طروب کے سامنے میں کچھ کیوں نہیں بول سکتا؟'' شاہ میر مزید بگڑا تھا۔

''یہ اس گھر کی فرد ہے، اسے پتہ ہونا چاہیے کہ میں کیا کر رہا ہوں اور تم کیا کر رہے ہو۔''

''کیا کر رہا ہوں میں؟'' شاہ زیب تحمل سے بولا تھا۔

''یہ تم اچھی طرح جانتے ہو۔'' شاہ میر سرد لہجے میں بولتا کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

''مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں نے اپنے اور شہرینہ کے درمیان ہونے والی گفتگو من و عن تمہیں بتا دی۔''

''تم مجھ سے چھپا بھی نہیں سکتے۔'' شاہ میر نے اس کی بات کاٹی تھی۔

''جتنا کچھ وہ تم سے لے چکی ہے اور لے رہی ہے اس کے بعد اب اور کیا کسر رہ گئی ہے کہ اس کی نظر تایا جان کے گھر پر لگی ہے۔''

''تم ایسا کیوں سوچ رہے ہو؟'' شاہ زیب زچ ہوا تھا۔

''اس لئے کہ صرف تم ہی نہیں میں بھی اس کی خصلت سے واقف ہوں مگر تمہاری آنکھیں سچ نہیں دیکھ سکتیں، ان پر عشق کی پٹی جو بندھی ہے۔'' پلیٹ میں موجود چاولوں میں چمچہ ادھر ادھر کرتی طروب کے کان شاہ میر کی طرف ہی لگے تھے وہ شاید اور بھی کچھ کہتا مگر شاہ زیب درمیان میں بول اٹھا تھا۔

''تم اس کے بارے میں جو بھی رائے رکھتے ہو مجھے اس سے سروکار نہیں، مگر میرے سامنے اس کا ذکر عزت سے کیا کرو، اسے وہ گھر اور اس کی لوکیشن پسند ہے، اب وہاں کوئی نہیں، صرف سیکیورٹی کے خدشے کی بنیاد پر اس نے گھر کے پیپرز کا ذکر کیا تھا۔'' گہری سنجیدگی سے شاہ میر کو ٹوک کر اس نے ایک نظر طروب کے جھکے سر پر ڈالی تھی۔

''جانتا ہوں اچھی طرح۔'' شاہ میر کا لہجہ طنزیہ تھا۔

''اس کے لئے عزت کی توقع مجھ سے اس وقت رکھنا جب وہ عزت کے ساتھ تمہارے نکاح میں آ جائے۔'' شاہ میر کے مزید طنز پر وہ بس اسے دیکھ کر رہ گیا تھا، غنیمت تھا کہ شاہ میر نے کھانے کی طرف توجہ مبذول کر لی تھی۔

''طروب! ابھی گھر میں وہ جگہ درست کرنی ہوگی جہاں تمہارا بسیرا ہوگا، لاؤنج میں تو میرا ڈیرہ ہے، ڈرائنگ روم میں تم فی الحال بسیرا کر سکتی ہو، ایسا کرتے ہیں ہال کے ساتھ جو کمرہ ہے وہی تمہارے لئے مناسب رہے گا۔'' کھانے کے بعد ٹیبل سے پلیٹیں وغیرہ سمیٹنے میں اس کی مدد کرتے ہوئے شاہ میر بول رہا تھا، جبکہ طروب نے خاموش نظروں سے شاہ زیب کو دیکھا تھا جو اس معاملے پر کوئی بھی رائے دیئے بغیر کچن سے نکل رہا تھا۔

☆☆☆

رات کا جانے کون سا پہر تھا، اس کی جلتی آنکھیں تو اس وقت سے نیند اور خواب سے عاری ہو چکی تھیں جس وقت اس نے ماں کو تریب الرگ دیکھا تھا، ایک پچھتاوا نمی بن کر اس کی آنکھوں میں چھا گیا تھا کہ وہ اپنے ماں باپ کے آخری وقت میں بھی ان کو نہیں بتا سکا کہ وہ ان سے کتنی محبت کرتا ہے، قریب رہ کر وہ ان کے دکھ سکھ نہ سن چکا، ان کی خدمت نہ کر سکا، وہ جانتا تھا

طروب نے وہ تمام فرض اور حق ادا کرنے کی کوشش کی جو کہ اسے کرنا چاہیے تھے، اس کے ماں باپ کو تکلیف کے دنوں میں طروب نے بہت مضبوطی سے سنبھالا، اپنی عمر سے کہیں زیادہ سمجھ داری اور بردباری سے وہ گھر کے معاملات سنبھالتی رہی تھی، اسے احساس تھا کہ اس کا اور طروب کا صدمہ ایک ہے، وہ بھی ٹوٹ کر بکھر چکی ہے، خود کو سنبھالنے کے لئے اسے بھی سہارے کی ضرورت ہے لیکن وہ کیا کرتا، کہاں سے لاتا وہ اجازت نامہ جو طروب کو ہمیشہ اپنے قریب رکھنے کی سند بنتا، جو راستہ اس کے ماں باپ بنا گئے تھے اس پر چلنے کی اجازت نہ اس کا دل دیتا تھا، نہ ضمیر۔

پانچ سال ایک عورت کی رفاقت کے عہد میں گزار کر اب ایک ملاوٹ زدہ، استعمال شدہ جذبوں سے باسی، پژمردہ زندگی میں طروب کو شامل کرنا اس کے ساتھ شدید ناانصافی تھی، یہ حقیقت وہ اپنے ماں باپ کو نہیں سمجھا سکا تھا، شاہ میر سمجھنے کے لئے تیار نہیں تھا پھر طروب کو کیسے اور کن لفظوں میں سمجھاتا، ڈرائنگ روم کے نیم وا دروازے سے اسے طروب کی مدھم سسکیاں بخوبی سنائی دے رہی تھیں، دل کے بڑھتے اضطراب کے ساتھ وہ ساکت کھڑا رہا تھا، شاید اس کا دلاسا، ہمدردی کے دو لفظ طروب کی اذیت کو کم کر سکتے تھے مگر جس اذیت میں وہ خود تھا اس سے طروب کو نجات دلانے کی ہمت کیسے جوڑ سکتا تھا، بوجھل قدموں اور مضطرب دل کے ساتھ وہ نہ چاہنے کے باوجود دروازے سے ہی واپس لوٹ گیا تھا۔

☆☆☆

دستک کی بلند ہوتی آواز پر وہ نیند سے بیدار ہوتی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی۔

''لگتا ہے تمہاری نیند پوری نہیں ہوئی، لیکن تم نے رات میں بھی ٹھیک سے کچھ نہیں کھایا تھا، اس لئے جگایا کہ کچھ کھا لو پھر چاہے سو جانا۔'' دروازے پر کھڑے شاہ میر کے لہجے میں اپنے لئے فکر محسوس کر کے طروب نے تشکر سے اسے دیکھا تھا، فجر کی نماز کی ادائیگی کے بعد وہ عجیب و غریب سوچوں میں گم جانے کب گہری نیند سو گئی تھی۔

ہال میں داخل ہوتے ہی پہلی نگاہ ڈائننگ ٹیبل کے گرد اخبار میں ڈوبے شاہ زیب پر گئی تھی، اس کے ہاتھ میں چائے کا مگ تھا، یقیناً وہ بھی دیر سے بیدار ہوا تھا، رکے بغیر وہ سر جھکائے کچن میں داخل ہو گئی تھی۔

''آ جاؤ تمہارا ناشتہ ریڈی کر دیا میں نے۔'' شاہ میر کی اطلاع پر وہ بری طرح شرمندہ ہوئی تھی۔

''میں بنا لیتی خود شاہ، آپ نے کیوں یہ سب کیا؟''

''کچھ بھی تو نہیں کیا، صرف آملیٹ بنانے کا احسان کیا ہے، کل سے تو تم نے ہی میرے لئے ناشتہ، کھانا بنانا ہے۔'' شاہ میر نے خوشگوار مسکراہٹ کے ساتھ کہا تو ایک ہلکی سی بے رنگ مسکراہٹ اس کے لبوں پر ایک پل کے لئے لہرائی تھی۔

''یہ لو گرما گرم چائے بھی آ گئی۔'' ایک مگ اس کے سامنے رکھتا وہ دوسرا مگ تھامے سامنے براجمان ہو گیا تھا، اِدھر اُدھر کی ہلکی پھلکی باتیں کرتا وہ طروب کی خاموشی توڑنے میں کامیاب ہو رہا تھا، کہ کچن میں شاہ زیب کی آمد ہوئی تھی طروب نے دوبارہ اس کی جانب نہیں دیکھا تھا جو اس کی طرف متوجہ مخاطب کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

''شہرینہ تم سے ملنے یہاں آرہی ہے، اسے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں جو اہم ہیں، اس کی کوئی بات ناگوار گزرے تو تحمل سے بس سن لینا۔''

''اسے ضرورت کیا ہے کسی ناگوار بات کو سننے کی، تم کم ہو سب سن کر تحمل سے کام لینے کے لئے؟'' شاہ میر کے خشمگیں لہجے پر وہ بس ایک نگاہ اسے دیکھتا واپس چلا گیا تھا۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں زبان بند رکھ کر احکامات پر عمل کرنے کی۔'' گھر کنے والے انداز میں شاہ میر اسے مخاطب کرتا وہاں سے چلا گیا تھا۔

پلٹیں اور گ دھو کر ان کو ان کی جگہ پر رکھنے کے بعد اس نے اچھی طرح شاہ میر کے پھیلائے گئے کچن کو قدرے درست حالت میں لانے کی کوشش کی تھی، ویسے اسے اندازہ تھا کہ یہ کچن کافی توجہ مانگ رہا ہے، جب وہ قدسیہ کے ہمراہ یہاں ٹھہرتی تھی تو ان کا ایک دن تو کچن اور گھر کو درست کرنے میں نکل جاتا تھا، کچن سے وہ باہر آئی تو لاؤنج خالی ملا تھا، وہ سیدھی ڈرائنگ روم میں آئی تھی جہاں اس کے بیگز اور سوٹ کیس موجود تھے، سوٹ کیس میں اسے اپنے کپڑوں کے درمیان رکھا سرخ مخملی کیس نکالا تھا، سوٹ کیس بند کر کے اس نے دھیرے سے مخملی کیس کھولا تھا، بہت نازک سا سیٹ تھا وہ ڈائمنڈ کا، اسے یاد تھا کہ قدسیہ کو یہ زیور اس لئے بہت عزیز تھا کہ یہ شاہ زیب نے سالوں کی محنت سے حاصل کیے گئے روپوں سے قدسیہ کے لئے یہ ڈائمنڈ کا سیٹ خریدا تھا، قدسیہ نے اسے بتایا کہ اسٹڈیز کے دوران شاہ زیب پارٹ ٹائم جابز کر کے رقم جمع کرتا رہا تھا، قدسیہ کے پاس سونے کے بہت زیور تھے مگر شاہ زیب کی خواہش تھی کہ وہ ان کے لئے ڈائمنڈ کا کوئی زیور خریدے، قدسیہ کے لئے اس کی یہ خواہش ہی قیمتی ہیروں سے بڑھ کر تھی مگر وہ نہیں جانتی تھیں کہ شاہ زیب بہت خاموشی سے اس خواہش کو پورا کرنے کے لئے محنت کر رہا ہے نہ صرف محنت بلکہ بہت طویل انتظار کے بعد جب مطلوبہ رقم میں پھر بھی کمی رہ گئی تو اسے شاہ میر کا مقروض بھی ہونا پڑا تھا۔

قدسیہ جب جب اس سیٹ کو پہنتیں ان کی خوشی دیدنی ہوتی، ایسے میں شکیب حسن کہتے کہ شوہر نے اتنے زیور بنا کر دیئے ان پر بھی اتنا خوش نہ ہوئیں مگر بیٹے کے تحفے میں دیئے زیور پہن کر قدم زمین پر نہیں ٹھہرتے۔

''ابو! آپ نے جو زیور امی کو دیئے وہ تو بس سونا ہے، آگا جان نے تو ڈائمنڈ کا سیٹ دیا ہے تحفے میں، ہیرے خریدنا اور پہننا چھوٹی سوئی بات نہیں۔'' وہ شرارت سے درمیان میں بولتی۔

''ہاں بیٹا! ہم تو غریب ملازمت پیشہ انسان ہیں، تمہاری ماں اور ان کا بیٹا بڑے لوگ ہیں۔''

''آپ کے بنائے گئے زیور بھی بہت چاہت سے پہنے میں نے، بس بہانہ چاہیے طعنہ دینے کا۔'' قدسیہ ناراضی سے کہتیں اور پھر بات بحث و مباحثے کی طرف مڑ جاتی جبکہ وہ ان دونوں کی نوک جھونک کو خوب انجوائے کرتی، بھیگتی آنکھوں کو خشک کرتی ڈرائنگ روم سے نکلی تھی۔

طروب خود کو کمپوز کرتی شاہ زیب کے مقابل جا رکی تھی، کچھ حیران ہو کر شاہ زیب نے وہ کیس تھام لیا تھا۔

''یہ گھر میں رکھا تھا امی نے؟''

''جی، وہ اسے ہمیشہ اپنے پاس ہی رکھتی تھیں، انہوں نے مجھے یہ آپ کے حوالے کرنے کے لئے کہا تھا۔'' لہجے کی نمی چھپائے وہ مدھم لہجے

میں بولتی ایک پل کو لاؤنج میں آتے شاہ میر کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

''میں اب اس کا کیا کروں گا، یہ امی کی نشانی ہے اسے تم ہی زیادہ اچھی طرح سنبھال کر رکھ سکتی ہو۔'' کیس واپس اسے دیتا وہ گہری سنجیدگی سے بولا تھا جبکہ طروب کے دل کی دھڑکن رک سی گئی تھی، کیا اسے یاد نہیں کہ قدسیہ یہ سیٹ اس لڑکی کو دینا چاہتی تھیں جسے شاہ زیب کی دلہن بننا تھا، وہ کئی بار شاہ زیب کی موجودگی میں بھی یہ کہہ چکی تھیں، طروب کو اس لمحے سمجھ نہیں آیا تھا کہ اسے کیا کہنا چاہیے، اسی شش و پنج میں تھی کہ کال بیل گونجی تھی، شاہ میر تیز قدموں سے لاؤنج سے نکل گیا تھا، چند لمحوں بعد جب وہ واپس آیا تو چہرے پر بیزاری پھیلی تھی وجہ بھی سمجھ آگئی کہ اس کے عقب میں شہرینہ نمودار ہو گئی تھی، سیاہ لباس میں دمکتے چہرے کے ساتھ۔

''کیسی ہو طروب؟'' بڑے تکلف سے شہرینہ نے رخسار اس کے چہرے سے مس کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

''ٹھیک ہوں۔'' اس نے بمشکل مسکرانے کی کوشش کی تھی۔

''بہت اچھا ہوا جو تم یہاں آگئیں، کل جب شیزی سے پتہ چلا تھا تو میں اس وقت سے ہی تمہارے پاس آنے کے لئے بے تاب تھی۔'' یکدم رک کر شہرینہ نے طروب کے ہاتھوں میں موجود مخملی کیس کو دیکھا تھا۔

''دیکھوں تو ذرا۔'' کچھ چونک کر شہرینہ نے کیس اس کے ہاتھوں سے لیا تھا، جگمگاتے سیٹ کو دیکھتے ہی اس کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔

''شیزی! یہ تو وہی جیولری ہے جو تم نے میرے ساتھ جا کر آنٹی کے لئے خریدی تھی اور تم نے بتایا تھا کہ وہ یہ جیولری تمہاری بیوی کو دے دیں گی۔'' وہ سب کچھ بھلائے شاہ زیب سے تائید مانگ رہی تھی۔

''فی الحال تو تائی جان یہ جیولری طروب کی تحویل میں دے گئی ہیں۔'' درمیان میں بولتے شاہ میر نے جیولری باکس شہرینہ سے لیا تھا۔

''طروب! میں فی الحال اسے رکھ لیتا ہوں، جب تم یہاں سیٹ ہو جاؤ تو پھر یہ مجھ سے لے لینا۔'' طروب کو مخاطب کرتا وہ فوراً شاہ زیب کے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا جبکہ شہرینہ کے تاثرات دیکھنے والے تھے، دانت پیستی وہ خونخوار نظروں سے شاہ میر کی پشت کو گھورتی بل کھا کر رہ گئی تھی۔

''طروب! شہرینہ کو تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں، میں نے تمہیں بتایا تھا۔'' شہرینہ کے غصیلے تاثرات نظر انداز کرتا وہ طروب سے مخاطب ہوا تھا جس پر وہ اثبات میں سر ہلاتی شہرینہ کو ساتھ لیے ڈرائنگ روم میں آگئی تھی۔

''اول درجے کا بدتمیز انسان ہے یہ شاہ میر، اس طرح جیولری مجھ سے چھینی جیسے میں کھا رہی تھی۔'' غصے میں بھڑکتی شہرینہ صوفے پر بیٹھی تھی۔

''میں ان کی طرف سے معذرت کرتی ہوں آپ سے۔'' طروب نے بات ختم کرنی چاہی تھی جبکہ شہرینہ نے ترچھی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

چمکتی گھنیری پلکوں تلے متورم سی گہری سیاہ آنکھیں، خشک مگر تر شے نازک ہونٹ، گندمی رنگت کے جھیتے نقوش میں گھلی زردی اور سوگواری نے اس کی دلکشی کو بڑھا دیا تھا۔

شہرینہ کو اس لمحے بھی وہ ایک آنکھ نہ بھا رہی تھی شاید اسی لئے اور کچھ شاہ میر کی وجہ سے موڈ آف ہونے پر وہ کسی بھی طرح بناوٹی مروت کے طور پر بھی طروب سے نہ اظہار ہمدردی کرنے کا ارادہ رکھتی تھی، نہ ہی اس کا غم بانٹنے کی کوشش میں

اپنا وقت برباد کر سکتی تھی۔

''آکا جان نے بتایا تھا کہ آپ کو مجھ سے کچھ بات کرنی ہے۔'' شہرینہ کو عجیب نظروں سے اپنا جائزہ لیتے دیکھ کر وہ الجھ کر بولی تھی۔

''دیکھو طروب! ہمیں یعنی مجھے اور شیزی کو اندازہ ہے کہ تم اس وقت کتنی تنہائی کا شکار ہو، آنٹی کے گزرنے کے بعد تم خود کو کتنا ان سیکیور فیل کر رہی ہو گی۔''

''ایسا نہیں ہے، آکا جان کی موجودگی میں، میں خود کو بالکل ان سیکیور فیل نہیں کر رہی۔'' طروب کے بات کاٹنے پر شہرینہ کے تاثرات ایک پل کو بدلے تھے۔

''جو بھی ہے، شیزی تمہاری ضد سے مجبور ہو کر تمہیں اپنے ساتھ لے آیا ہے مگر وہ جانتا ہے کہ تمہارا اس طرح اس کے گھر میں رہنا ٹھیک نہیں ہے، فی الحال ہم شادی نہیں کر سکتے تمہاری وجہ سے، لہٰذا تمہیں بھی معاملات کی نزاکت کو سمجھنا چاہیے اس لئے بہتر ہو گا کہ تم کچھ عرصے کے لئے ہاسٹل شفٹ ہو جاؤ۔'' شہرینہ مختصر سی تمہید کے ساتھ اپنا مقصد بیان کر گئی تھی۔

''مجھے کہاں رہنا ہے، کہاں نہیں، یہ فیصلہ میرا ذاتی ہے جس میں آکا جان بھی کوئی اعتراض نہیں کر سکتے۔'' طروب کا لہجہ سپاٹ تھا۔

''آپ کی اور ان کی شادی آج ہو یا کل مجھے تو اب یہیں رہنا ہے۔''

''مگر شیزی تمہیں اس طرح اس گھر میں کیسے رکھ سکتا ہے؟'' شہرینہ نے ناگواری سے اسے دیکھا تھا۔

''تو ٹھیک ہے اگر آکا جان کو میری یہاں موجودگی سے کوئی پرابلم ہے تو وہ اس گھر سے چلے جائیں۔''

''کیا، تم حواسوں میں تو ہو؟'' شہرینہ نے دنگ نظروں سے اس کے سپاٹ چہرے کو دیکھا تھا۔

''میں کوئی فیڈ ریٹڈ بچی نہیں ہوں طروب، شیزی کے ماں باپ نے صرف تمہاری پرورش کی ہے، شیزی سے تمہارا کوئی تعلق ایسا نہیں ہے کہ تم تنہا اس گھر میں اس کے ساتھ رہو، وہ تمہارے لئے اور تم اس کے لئے نامحرم ہو، تمہارے اندر حیا نام کی کوئی چیز ہے یا نہیں ہے۔'' طروب کی ڈھٹائی نے شہرینہ کے غصے کو ہوا دی تھی جو وہ رہی سہی مروت بھی بالائے طاق رکھ گئی تھی۔

''نامحرم تو آپ بھی ہیں ان کے لئے مگر پھر بھی پانچ سال سے ان کے ساتھ ہیں، آپ کا بھی ان سے ایسا کوئی شرعی رشتہ نہیں جو آپ کو یہ اجازت دے کہ آپ ان کے دیئے گئے روپے اور تحائف استعمال کریں۔''

''اپنا مقابلہ مجھ سے مت کرو تم۔'' شہرینہ آپے سے باہر ہوتی یکدم اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''میرا اس سے دل کا رشتہ ہے۔''

''میرا آپ سے کوئی مقابلہ ہو بھی نہیں سکتا۔'' طروب بھی اس کے مقابل اٹھی تھی۔

''کیونکہ میرا ان سے روح کا رشتہ ہے۔'' اس کے مضبوط مستحکم لہجے پر شہرینہ کی آنکھوں سے چنگاریاں نکلنے لگی تھیں۔

''بہت اچھا ہوا کہ تم نے اپنے ارادوں سے آگاہ کر دیا مجھے، مگر تم ہو کون ہوا ؤں میں، میں اگر چاہوں تو شاہ زیب میرے ایک اشارے پر تمہارا ہاتھ پکڑ کے اس گھر سے نکال باہر کرے۔''

''یہ آپ کی ایک اور بہت بڑی غلط فہمی ہے ہاں میں چاہوں تو آپ کو دھکے دے کر اس گھر سے نکال سکتی ہوں۔''

''طروب!'' گھمبیر لہجے میں موجود تنبیہ گونجی تھی، شہرینہ کے لال بھبوکا چہرے سے نگاہ ہٹا کر اس نے شاہ زیب کو دیکھا تھا اور پھر تیز قدموں کے ساتھ سر جھکائے اس کے برابر سے نکلتی چلی گئی تھی۔

''یہ اتنی معصوم ہرگز نہیں جتنا کہ دکھائی دیتی ہے، تمہارے ماں باپ کے بعد اب یہ تم پر قابض ہونا چاہتی ہے۔'' شہرینہ بھڑک کر غرائی تھی۔

''پہلے تم مجھے یہ بتاؤ کہ تمہیں کیا ضرورت تھی اسے یہ بتانے کی کہ میرے ماں باپ نے اس کے لئے کیا، کیا ہے اور کیا نہیں، تم یہاں میری مشکل کو حل کرنے آئی تھیں یا معاملے کو مزید بگاڑنے؟'' شاہ زیب نے سخت ناراضی سے کہا تھا۔

''اس مشکل کو تم خود اپنے سر پر تھوپ کر لائے ہو لہٰذا اب اس سے تم ہی چھٹکارا حاصل کرو اور میری ایک بات غور سے سن لو کہ میں اس کو اب نہ تمہارے گھر میں برداشت کروں گی نہ زندگی میں، ورنہ نتائج کے ذمہ دار تم ہو گے میں نہیں۔'' سرخ چہرے کے ساتھ وہ بولی نہیں پھنکاری تھی اور اگلے ہی پل بیگ کندھے پر ڈال کر سینٹرل ٹیبل سے گاڑی کی چابی اٹھاتی تیر کی طرح ڈرائنگ روم سے نکل گئی تھی۔

لاؤنج میں آتے ہوئے اس نے ایک نظر شاہ میر کو دیکھا تھا اور پھر سر جھکائے بیٹھی طروب کے سامنے جا رکا تھا۔

''تمہیں اپنی حد میں رہنا چاہیے تھا، دوبارہ حد سے باہر نکلنے کی کوشش مت کرنا۔'' اس کے سرد لہجے پر طروب نے سر اٹھا کر اس کے تنے ہوئے تاثرات کو دیکھا تھا، درد کی انتہا لہر نے آنکھوں کو دھندلا دیا تھا، ایک جھٹکے سے صوفے سے اٹھتی وہ تیز قدموں کے ساتھ ڈرائنگ روم میں جا کر بند ہو گئی تھی۔

''کیا غلط کیا اس نے؟ کون سی حد توڑی؟'' شاہ میر نے ناگواری سے پوچھا تھا۔

''تم خاموش رہو، جانتا ہوں کتنی اچھی طرح تم اس کے کان بھر چکے ہو، شہرینہ کے خلاف۔'' شاہ زیب نے بلند غصیلے لہجے میں کہا تھا، جواباً شاہ میر لب بھینچے چند لمحوں تک اس کے تمتمائے چہرے کو گھورتا رہا تھا اور پھر جارحانہ قدموں کے ساتھ لاؤنج سے ہی نہیں گھر سے بھی نکل گیا تھا۔

مغرب کا وقت ہو چکا تھا مگر نہ طروب ڈرائنگ روم سے نکلی نہ اس کی دستک پر کوئی جواب دیا، بڑھتی تشویش کے ساتھ اسے ناچار شاہ میر کو کال کرنی پڑی تھی کیونکہ وہ جو ناراض ہو کر گیا تھا تو پلٹ کر نہیں آیا، کچھ معذرت اور کچھ منت کے بعد وہ احسان کرنے والے انداز میں راضی ہو گیا تھا، شاہ زیب کا انداز ٹھیک تھا، شاہ میر کی آواز سن کر ہی طروب نے ڈرائنگ روم کا دروازہ کھول دیا تھا، کچھ دیر بعد شاہ میر نے اسے کمرے میں آ کر اطلاع دی کہ وہ طروب کو باہر لے جا رہا ہے، ان دونوں کے جانے کے بعد شاہ زیب نے پوری یکسوئی سے اس بارے میں سوچنا شروع کر دیا تھا۔

جس معاملے پر وہ آج ہی شاہ میر سے بات کرنا چاہتا تھا۔

☆☆☆

رات دس بجنے کے بعد ان دونوں کی واپسی ہوئی تھی، ایک نظر میں ہی شاہ زیب نے بھانپ لیا تھا کہ شاہ میر کی سنگت میں باہر وقت گزار کر طروب پر اچھا اثر ڈالا تھا اس کے چہرے پر چھائی ہمہ وقت کی آزردگی میں کمی آئی تھی، شاہ میر کی شخصیت ہی اتنی باغ و بہار کی حامل تھی کہ کوئی بھی اس کی قربت میں اداس نہیں رہ سکتا

تھا۔

اس وقت ٹیرس پر ہی وہ دونوں اِدھر اُدھر کی باتوں میں مشغول تھے جب شاہ میر نے محسوس کر لی تھی کوئی غیر معمولی چیز۔

"شاہ زیب! تم کوئی ضروری بات کرنا چاہتے ہو مجھ سے؟" شاہ میر کے اچانک سوال پر وہ حیران نہیں تھا۔

"ہاں بات تو ہے۔" وہ گہری سانس لے کر بولا تھا۔

"خدا کے لئے شہرینہ صاحبہ کے بارے میں کوئی بات نہ کرنا اور میں تو تم کو وہی مخلصانہ مشورہ دوں گا کہ اب اپنے آپ پر رحم کرو اس کی اسیری سے خود کو رہائی دو۔" شاہ میر کوفت سے بولا تھا۔

"شاہ! تم جانتے ہو میں زبان سے پھرنے والا انسان نہیں ہوں، شہرینہ کے ساتھ کمٹمنٹ میں ہوں۔"

"تمہاری عزت نفس اور زندگی سے بڑھ کر نہیں ہے یہ کمٹمنٹ۔" شاہ میر نے اس کی بات کاٹی تھی۔

"اور پھر تم جس حد تک نباہ کر سکتے تھے کر چکے ہو، اس عورت کو تمہارے ساتھ گھر بسانے میں کوئی دلچسپی اگر کسی زمانے میں ہو گی بھی تو اب نہیں ہے، اس کی آنکھیں گلیسر کی چکا چوند سے خیرہ ہو چکی ہیں، آسمان کو چھونے کی چاہت میں اس کے قدم زمین پر بھی نہیں رہے، جو عورت دولت حاصل کرنے کی دھن میں مخلص رشتوں کو گنوا سکتی ہے وہ کسی کی نہیں ہو سکتی، یہاں تک کہ اپنی بھی نہیں۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو مگر میں اپنے قدم روک سکتا ہوں، پیچھے نہیں ہٹا سکتا، میں صبر کے ساتھ بس یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ یہ گاڑی کہاں تک چل سکتی ہے۔" شاہ زیب پر سوچ لہجے میں بولا تھا۔

"ویسے میں کسی اور معاملے پر تم سے بات کرنا چاہتا تھا۔"

"کہو میں سن رہا ہوں۔" شاہ میر ہمہ تن گوش تھا۔

"شاہ! میں بہت سوچنے کے بعد جس فیصلے پر پہنچا ہوں اس سے بہت مطمئن ہوں، ایک صرف تم ہی ہو جس پر میں آنکھیں بند کر کے طروب کے لئے بھروسہ کر سکتا ہوں، میری نظر میں طروب کے لئے بہتر سے بھی بہتر انسان اگر کوئی ہے تو وہ صرف تم ہو، میں چاہتا ہوں تم طروب سے شادی کر لو۔"

"شاہ زیب! تم....." دنگ ہوتے شاہ میر کی آواز کچھ ٹوٹ کر بکھرتی کرچیوں کے شور میں دب گئی تھی، دونوں کی نگاہیں ساکت کھڑی طروب کے متغیر ہوتے چہرے سے گزر کر اس کے پیروں کے پاس کافی کے ٹوٹے بکھرے مگ تک گئی تھیں کوئی شک نہیں رہ گیا تھا کہ طروب نے شاہ زیب کی بات سن لی تھی، جتنی تیزی سے وہ جانے کے لئے پلٹی تھی اسی سرعت سے شاہ زیب اور اس کے پیچھے شاہ میر بھی گئے تھے۔

"طروب میری بات سنو۔" شاہ زیب نے اسے ڈرائنگ روم کے قریب ہی جا لیا تھا۔

"نہیں سننی مجھے آپ کی کوئی بات۔" حلق کے بل چیختے ہوئے اس نے اپنا بازو شاہ زیب کی گرفت سے نکالنے کی کوشش کی تھی مگر وہ اس کا دوسرا بازو بھی پکڑ چکا تھا۔

"تمہیں سننا ہو گا، سمجھنا ہو گا میری مشکل کو۔" شاہ زیب کی بلند آواز میں سختی تھی۔

"اب اور سننے کو باقی کیا رہ گیا ہے، دھوکہ دیا آپ نے مجھے، اپنے ساتھ یہاں لا کر آپ آسانی سے میرے بوجھ کو کسی گناہ کی طرح پھینک دینا چاہتے ہیں مگر ایک بات کان کھول کر سن

لیں، میرے ساتھ اگر زبردستی ہوئی تو میں خودکشی کر لوں گی۔" حلق کے بل چیختی وہ زخمی شیرنی کی طرح بپھرتی بے قابو ہو چکی تھی۔

"میں نے کب روکا ہے آپ کو اس ڈائن کے ساتھ رنگ رلیاں منانے سے، کرتے رہیں اس کے ساتھ اپنا منہ کالا۔" طروب کی بھڑکتی آواز اس وقت بند ہوئی تھی جب شاہ زیب نے ایک جھٹکے سے اسے دور ہٹاتے ہوئے گرفت سے آزاد کر دیا تھا، بری طرح لڑکھڑاتی وہ ڈرائنگ روم کی دہلیز کے بیچوں بیچ اوندھے منہ جا گری تھی، ساکت کھڑے شاہ میر نے ہوش میں آتے ہوئے طروب کی طرف بڑھنا چاہا تھا مگر شاہ زیب نے شدید اشتعال میں اسے بھی دور دھکیل دیا تھا۔

"مرنے دو اس احسان فراموش لڑکی کو، جو مغلظات یہ میرے لئے زبان سے اگل چکی ہے اس کے لئے تو میں بھی اسے جان سے مار دینے کا حق دار ہوں۔" شدید اشتعال میں بولتے شاہ زیب نے ایک خونخوار نگاہ ساکت پڑی طروب پر ڈالی تھی اور اگلے ہی پل حق دق کھڑے شاہ میر کو بازو سے تھام کر اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

کانچ کے ٹوٹے برتن کی طرح بکھرا اس کا وجود آدھا کارپٹ پر اور آدھا ماربل کے یخ بستہ فرش پر تھا جس کی ٹھنڈک اس کے پیروں سے چڑھتی وجود کے ایک ایک عضو کو برف کی طرح منجمد کر رہی تھی، ساعتوں میں بس ایک ہی آواز گونج رہی تھی، کیا کچھ نہیں تھا اس آواز میں، بیزاری، نفرت، اکتاہٹ، غصہ، بے حسی۔

"مرنے دو اس احسان فراموش لڑکی کو۔" اس کی آنکھوں سے بہت گرم سیال سرخ دبیز کارپٹ میں جذب ہوتا جا رہا تھا۔

"لڑکی..... وہ بس اس کے لئے ایک لڑکی تھی، ایک احسان فراموش لڑکی، ہاں وہ بس ایک لڑکی ہی تو تھی، جو کچی عمر میں ہی ایک پتھر دل انسان کے خواب اپنی آنکھوں میں سجائے کہاں سے کہاں پہنچ چکی تھی، محبت کے معنی اور مطلب اسے انجان اپنے دل کے سنگھاسن پر وہ برسوں پہلے جسے بٹھا چکی تھی، انجام کی پرواہ کیے بغیر جسے وہ بہت خاموشی سے اپنا تن من اپنے تمام جذبات سونپ چکی تھی، جس کی دید، جس کے انتظار کی عادی اس کی پیاسی آنکھیں آج تک پیاسی تھیں، یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ ٹھکرائی جا چکی ہے، جس کے دل کے دروازے کسی اور عورت کے لئے مکمل کر بند بھی ہو چکے ہیں، یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس بند دروازے پر دستک تو کیا اس کے قریب جانے کا حق بھی اسے نہیں مل سکتا پھر بھی وہ اپنی انا، اپنے پندار کے زعم کو خود اپنے پیروں تلے کچلتی اس کا دامن تھامے، ساری عزت نفس اس پر قربان کرتی اس کا سایا بنے رہنا چاہتی تھی، اس انسان کے لئے وہ بس ایک لڑکی تھی، اس کی بے بسی، لاچاری، جذبوں کے بس ایک بار معتبر ہونے کی امید اسے اس پتھر کے بت کی نظروں میں احسان فراموش بنا گئی تھی، اس کی نگاہ میں احسان فراموش ہونے سے زیادہ اذیت ناک بس ایک لڑکی ہونا تھا، یہ اذیت اسے ادھ موا کر چکی تھی، اب اپنے قدموں پر کھڑے رہنا شاید ممکن نہ تھا، جس دیوار کا سہارا تھا وہ سہارا ہی اسے منہ کے بل گرا چکا تھا، دن رات کی بے شمار ساعتوں میں جو ہر لمحہ ہر پل اس کی سوچوں پر، اس کی ساعتوں پر، دل کے ہر ایک حصے میں، ہر لفظ پر جنبش پر جو پورے وجود سے عادی رہا تھا، وہ دو دن بھی اسے اپنے قریب برداشت نہ کر سکا، اس کے نیم جاں زخمی وجود کو جھٹک کر چلا گیا تھا۔"

دل میں طوفان اٹھ رہا تھا، کان سائیں سائیں کر رہے تھے، اسے وجود ہوا میں معلق محسوس ہو رہا تھا۔

جانے کتنا وقت گزر چکا تھا اسے کوئی ہوش نہ رہا تھا، بہت اچانک گہری خاموشی میں اسے اپنے قریب کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا، یکدم اسے احساس یہ بھی ہوا کہ اس کا دل جو رکا ہوا تھا ایک موہوم سی امید کے ساتھ پھر دھڑکنے لگا ہے، زندگی کی رمق اس کے مردہ وجود میں بیدار ہوئی تھی، رگوں میں منجمد لہو پگھلنے لگا تھا جب دو ہاتھوں نے اسے شانوں سے تھام کر اٹھانا چاہا تھا کہ وہ ضبط کے تمام بندھن توڑ کر سرعت سے اٹھتی وہ مسیحا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں جکڑ گئی تھی۔

''آکا جان!'' اس کی سسکیاں حلق میں یکدم گھٹ گئی تھیں۔

''میں ہوں۔'' شاہ میر کی آواز اسے کسی کھائی میں دھکیل گئی تھی، مایوسی اور بے قدری کی اٹھتی دردناک لہروں نے سے آنسوؤں کے سمندر میں غرق کر دیا تھا، شاہ میر کا ہاتھ اپنی پیشانی سے ٹکائے وہ پھوٹ پھوٹ کر روتی چلی گئی تھی۔

''ہمت رکھو طروب! سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا، میں تمہارے ساتھ ہوں، کبھی وہ نہیں ہونے دوں گا جو تمہاری مرضی کے خلاف ہو، شاہ زیب کو تم بھی جانتی ہو، اس کی فطرت ایسی جارحانہ نہیں ہے، غصے میں ہو گیا سب، ان حالات میں وہ تم سے زیادہ ڈپریسڈ ہے اور پھر تھوڑی سی غلطی تم سے بھی سرزد ہوئی ہے۔'' شاہ میر جانے اور کیا کہہ رہا تھا مگر اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا، سوائے اپنے دل کی چیخوں کے کہ وہ اسے نہیں جانتی شاید ذرہ برابر بھی نہیں کیونکہ اس بے پرواہ، انجان بظاہر اپنے نے اسے اس حد تک مفلس رکھا ہے کہ اس شخص کو دل میں سموئے رکھنے کے باوجود وہ اس شخص کے لمس تک کو نہیں پہچان سکتی تھی۔

ایک شہر آرزو سے کسی دشت غم تلک دل چکا تھا اور اور یہ ہجرت عجیب تھی۔

لفٹ میں داخل ہو کر اس نے اپنی رسٹ واچ میں وقت دیکھا دوپہر کے تین بجنے میں چند منٹ باقی تھے، حالانکہ اس کا مزاج رات سے ہی برہم تھا، صبح شاہ میر کے ہمراہ اکیڈمی جانے کے لئے گھر سے نکلتے ہوئے بھی اس نے طروب کی خیر خیر لینے کی کوشش نہیں کی تھی نہ ہی وہ خود سامنے آئی تھی، طروب نے گزشتہ رات جو لفظ ادا کیے وہ اس کے ضمیر اس کے کردار پر بھاری ضرب کی طرح لگے تھے اور پھر اس کی خودکشی کی دھمکی، شاہ زیب نہیں جانتا تھا کہ وہ کب تک اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا، صرف شاہ میر کے اصرار اور ضد پر وہ لنچ کے لئے اس کے ہمراہ گھر آیا تھا، ظاہر ہے طروب کے ساتھ گھر پر لنچ کرنے کا مقصد شاہ میر کا یہی تھا کہ طروب اور اس کے درمیان تناؤ کم ہو سکے، اسے راضی کر کے شاہ میر نے گھر پر طروب کو فون کر کے یہ اطلاع دے دی تھی کہ وہ لنچ کے لئے کھانا باہر سے لے کر آ رہے ہیں۔

شاہ میر جا چکا تھا جبکہ وہ پارکنگ ایریا میں گاڑی پارک کر کے اب اوپر پہنچا تھا، کارڈ دور عبور کر کے وہ کھلے گیٹ سے اندر داخل ہوا تھا کہ حواس باختہ سے شاہ میر پر نگاہ پڑتے ہی وہ ٹھٹکا تھا۔

''زیب! طروب گھر میں نہیں ہے، میں نے سب طرف دیکھ لیا ہے، گیٹ نیم وا تھا اس لئے میں اندر آ گیا تھا۔'' شاہ میر کے انکشاف پر وہ بھک سے اڑتا سرعت سے اسے سامنے سے ہٹا کر اندر کی سمت دوڑ گیا تھا، منٹوں میں اس نے

ایک ایک کونا دیکھ لیا مگر بے سود، شاہ زیب کا دماغ ماؤف ہونے لگا تھا، طروب کے سامان سے بس ایک بیگ غائب تھا، باقی سب جوں کا توں موجود تھا۔

''اس کا فون آف جا رہا ہے، شاہ زیب ہمیں فوراً اسے تلاش کرنا ہے، وہ اس شہر کے راستوں سے انجان ہے۔'' شاہ میر کے عجلت بھرے لہجے پر شاہ زیب نے کچھ بھی کہے بغیر تیزی سے باہر کی سمت قدم بڑھا دیئے تھے۔

☆☆☆

شہر کی ان گنت سڑکیں ناپنے کے بعد شاہ زیب کا صبر جواب دیتا جا رہا تھا، شام ہو چکی تھی اور پھر اس کے ڈھلنے کا وقت بھی آ پہنچا مگر طروب کا کہیں کوئی نام ونشان تک نہیں مل رہا تھا، شاہ میر مسلسل اسے تسلی تو دے رہا تھا مگر اس کے زرد چہرے اور غیر ہوتی حالت سے بخوبی واقف تھا، وہ خود بھی کم پریشان نہیں تھا مگر دل کو کچھ یہ یقین بھی تھا کہ طروب بہت سمجھدار ہے وہ خود کو کسی سنگین صورتحال میں گرفتار نہیں ہونے دے گی۔

''ہمارے پاس اب پولیس اسٹیشن جانے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں بچا ہے شاہ زیب۔'' تھک ہار کر جب وہ دونوں ایک سنسان سڑک پر رکے تو اندھیرا پھیل رہا تھا۔

''اب کچھ بھی کرو لیکن اسے آج ہی تلاش کرنا ہے ورنہ میں ساری زندگی آئینے میں اپنا چہرہ نہیں دیکھ سکوں گا۔'' شاہ زیب کی حالت دیدنی تھی، اس سے پہلے کہ شاہ میر کچھ کہتا شاہ زیب کا فون چیخ اٹھا تھا۔

''تمہیں میری زندہ پرواہ نہیں، ایک کال تک کرنے کی زحمت نہیں کی تم نے، اس کو ہاسٹل شفٹ کیا یا نہیں؟'' شہرینہ کے چنگاڑتے لہجے نے اس کی دماغ کی رگوں کو سلگا دیا تھا۔

''اسے ہی ڈھونڈتا سڑکوں پر مارا مارا پھر رہا ہوں پاگلوں کی طرح، تمہاری وجہ سے میں اس کے ساتھ سختی سے پیش آیا اور اب لٹکا ہوں سولی پر۔'' وہ بھڑک کر بولا تھا۔

''حیرت ہے اتنی آسانی سے کہاں دستبردار ہو گئی تم سے۔'' شہرینہ کے لہجے میں تعجب تھا۔

''خیر جو بھی ہے، وہ کوئی فیئر ریپٹی بچی نہیں جو تم اسے ڈھونڈنے نکلے ہو، کسی ہاسٹل پہنچ کر خود ہی فون کر دے گی۔''

''تمہاری بے حسی اور خود غرضی پر اب تو مجھے کوئی حیرت نہیں ہوتی، میری عزت داؤ پر لگی ہے اور تم مجھے سکون سے بیٹھنے کا مشورہ دے رہی ہو۔'' شاہ زیب کا چہرہ تمتما اٹھا تھا۔

''ٹھیک ہے اگر وہ تمہاری عزت ہے تو ڈھونڈ کر لاؤ اسے اور رکھو اسے ہی اپنے گھر میں، میری تمہیں ضرورت ہی کیا ہے۔'' شہرینہ غرائی تھی۔

''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ طروب کے بارے میں تمہاری سوچ کتنی چھوٹی، کتنی گری ہوئی ہے، اس وقت تو میں تمہاری کوئی بکواس نہیں سن سکتا لیکن یاد رکھنا کہ اگر طروب مجھے نہ ملی تو اس کی ذمہ دار تم ہو گی۔'' شدید مشتعل انداز میں بات ختم کر کے اس نے لائن ڈسکنیکٹ کر دی تھی۔

☆☆☆

ایک ہاسٹل سے دوسرے پھر تیسرے ہاسٹل تک کا سفر کرتے کرتے اسے کافی وقت بیت گیا تھا، کسی بھی ہاسٹل کو منتخب کرنے سے پہلے وہ ہر طرح سے مطمئن ہونا چاہتی تھی، جب تنہا اپنے بل بوتے پر ہی زندگی گزارنی ہے تو پھر پورے اعتماد سے کیوں نہیں، یہ فیصلہ اس کا نہیں تھا، تقدیر اور حالات ہی اس مقام پر لے آئے تھے آخر کہاں تک کوئی اپنی انا اور خودداری کا گلا گھونٹ

سکتا ہے، یہ ایک بہت بڑا قدم تھا جو اس نے بہت سوچ سمجھ کر بروقت اٹھایا تھا، اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اگر وہ خود اس گھر سے نہ نکلتی تو کسی دن اسے دھکے دے کر وہاں سے نکال دیا جاتا، عورت کا جادو کالے جادو سے زیادہ طاقت ور ہوتا ہے، جس کی کاٹ کالا جادو بھی نہیں کر سکتا، جانے انجانے میں وہ ایک ایسے شخص کا سہارا لینے کی غلطی کر چکی تھی جو پہلے سے ہی کسی عورت کے زیر اثر تھا، بہتری اسی میں تھی کہ وہ درمیان سے نکل جاتی، کسی گرداب میں پھنسنے سے اچھا تھا کہ عزت کے ساتھ صعوبتیں برداشت کر لیتی۔

اس نے سوچ لیا تھا کہ ہاسٹل میں ایڈجسٹ ہوتے ہی وہ احسان انکل سے رابطہ کرے گی اور ان سے درخواست کرے گی کہ شکیب حسن اور قدسیہ جو کچھ اس کے نام کر گئے ہیں وہ اس سے دستبردار ہونا چاہتی ہے، صورتحال سے آگاہ ہونے کے بعد انہوں نے ضرور برہم ہونا تھا مگر ان کو یہ باور کروانا ضروری تھا کہ جو قدم اس نے اٹھایا اپنی مرضی سے اٹھایا ہے، اپنے اعتماد کو بحال کرنے کے لئے وہ شاپنگ مال چلی گئی تھی، ضرورت کی کچھ چیزیں خریدتے ہوئے وہ یہ بھی سوچ رہی تھی کہ وہ جو تین ہاسٹلز اس نے دیکھے ہیں ان میں سے کون سا اس کے لئے بہتر ہے، بہرحال اپنے ذہن میں اس نے ایک قدرے بہتر اور انفورڈ ایبل ہاسٹل کو منتخب کر لیا تھا، اندھیرا پھیل چکا تھا مگر اس ہاسٹل تک پہنچنے کے لئے اسے کوئی رکشہ نہیں مل رہا تھا، انتظار میں رکنا ٹھیک نہیں تھا۔

راستہ اس نے ذہن نشین کر لیا تھا مگر چلتے چلتے اس کی کوشش تھی کہ کوئی رکشہ مل جائے، چلتے چلتے احتیاطاً اس نے ایک دو لوگوں سے ایڈریس پوچھا تھا، ہاسٹل ابھی دور تھا، سواری کوئی مل نہیں رہی تھی، اندھیرا چھا تھا، اسی دوران کچھ خوف سا محسوس کرتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ کوئی اس کے تعاقب میں ہے، اپنے خوف کو نظر انداز کر کے اس نے وہم سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کی تھی مگر یہ وہم نہیں تھا، مگر ساتھ ساتھ ریگتی سفید کار میں سے پکارتی کریہہ آوازوں نے اس کے سارے اعتماد کو غرق کر دیا تھا، پسینے سے ہتھیلیاں پسیج گئی تھیں، بری طرح ہراساں ہوتی وہ فٹ پاتھ عبور کر کے سڑک کے دوسرے کنارے پر چلی گئی تھی مگر خطرہ ٹلا نہیں تھا، سڑک پر گاڑیاں بہت کم تھیں، راہ گیر نہ ہونے کے برابر، وہ آسان شکار تھی، وہ یہ جانتی تھی مگر اس نے تہہ کر لیا تھا کہ حالات کا مقابلہ اسے ہر صورت کرنا ہے، چادر کو چہرے کے گرد ٹھیک کرتے ہوئے وہ بالکل تیار تھی، کہ اچانک کار کا دروازہ کھلا تھا، وہ شخص بڑی دیدہ دلیری سے اس کے سامنے رکتا جانے کیا کہہ رہا تھا جس کے کان سائیں سائیں کر رہے تھے، ہاتھ میں پکڑا بیگ اس نے پوری قوت سے اس شخص کو دے مارا اور برق رفتاری سے بھاگتی چلی گئی تھی، خوف سے اس کا دل بند ہو رہا تھا، بھاری قدم مسلسل اس کے تعاقب میں تھے، اندھا دھند بھاگتے ہوئے طروب کو بالکل اندازہ نہیں تھا کہ یہ کون سی جگہ ہے جہاں دونوں اطراف میں گاڑیاں ہیں اور کچھ کام کرتے لوگ بھی، ناک کی سیدھ میں بھاگتی وہ اس گیرج میں کام کرتے ورکرز کو حیران کرتی سیدھی اس گیرج کے آفس میں جا گھسی تھی، تب تک اس کے تعاقب میں آنے والے جو پوری طرح بپھرے ہوئے تھے اس کے سر پر پہنچ چکے تھے، طروب نے تیزی سے دروازہ بند کرنے کی کوشش کی تھی کہ ایک بھاری ضرب اس کے چہرے سے ٹکرائی آفس میں حق دق بیٹھے چند افراد کو اپنی جگہ سے

اٹھنے پر مجبور کر گئی تھی۔

☆☆☆

عین اس وقت جب وہ دونوں پولیس اسٹیشن سے ذرا ہی فاصلے پر تھے کہ اچانک شاہ زیب کے فون پر آنے والی کال نے ان کا راستہ بدل دیا تھا، شاہ زیب کی خطرناک ڈرائیونگ اسپیڈ پر شاہ میر کو بار بار ٹوکنا بھی پڑا تھا مگر اسے تو جیسے کچھ سنائی ہی نہیں دے رہا تھا۔

لب سڑک پر وہ ایک روشن جگمگاتا وسیع و عریض گیراج تھا، وہاں ایک پولیس وین بھی موجود تھی، ان دونوں کو وہاں آتے دیکھ ایک شخص تیزی سے ان دونوں کی طرف آیا تھا، یہی شخص اس گیرج کا مالک تھا اور اسی نے فون پر شاہ زیب کو یہاں کا ایڈریس بتایا تھا۔

گیرج کے آفس کا دروازہ عجلت میں کھول کر اندر داخل ہوتا وہ یکدم اپنی جگہ ساکت ہوا تھا، اگر وہ طروب تھی تو واقعی وہ فوری طور پر اسے نہیں پہچان سکا تھا، دوسری جانب ایک کونے میں کھڑی خستگی کا پتلی طروب نے جو اس کو دیکھا تو دیوانہ وار اس کی طرف بھاگی آئی تھی، شاہ زیب کے سینے سے سر ٹکائے وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر چکی تھی، تب ہی شاہ میر کے ساتھ گیرج کا مالک اندر آیا تھا۔

"میرے گیرج میں کام کرنے والے لڑکوں نے ان تینوں بدمعاشوں کو اپنے قبضے میں رکھا جب تک پولیس یہاں نہ پہنچ گئی، خوب درگت بنی ہے ان رئیس زادوں کی، پولیس وین میں ڈال رہی ہے ان تینوں کو، بس آپ لوگوں کے آنے کا انتظار تھا۔" گیرج کا مالک تفصیل بتا رہا تھا، شاہ زیب نے روتی ہوئی طروب کا چہرہ اپنی طرف اٹھا کر اس کی چوٹ کا جائزہ لیا تھا۔

اس کے دائیں جبڑے سے رخسار کی ہڈی تک کا حصہ سوج کر نیلا پڑ چکا تھا، چند لمحوں تک وہ اس کی چوٹ کا جائزہ لیتا رہا تھا اور پھر وہ طروب کا ہاتھ پکڑے اپنے ساتھ اسے کھینچتا باہر نکل گیا تھا، شاہ میر نے اس کے بگڑے تیوروں پر اسے روکنا چاہا تھا مگر وہ سن کہاں رہا تھا، لب بھینچے وہ جارحانہ انداز میں اس وین کی طرف گیا تھا جس میں وہ تینوں لڑکے موجود تھے، طروب کی حالت تو ایسی ہو گئی تھی کہ کاٹو تو بدن میں خون کا قطرہ تک نہیں۔

"بتاؤ ان میں سے کس نے تمہیں ہاتھ لگایا تھا؟" شاہ زیب کے بپھرے انداز اور سخت لہجے نے طروب کی آواز بند کر دی تھی مگر شاہ زیب کے تیوروں پر اس نے بمشکل کانپتے ہاتھ سے درمیان میں موجود لڑکے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شاہ زیب کی پشت کی طرف چھپنے کی کوشش کی تھی مگر اگلے ہی پل اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔

"آکا جان! نہیں۔" دہل کر چیختے ہوئے طروب نے اس کا بازو دونوں ہاتھوں میں جکڑ کر روکنا چاہا تھا مگر تب وہ ایک ہی جھٹکے میں اس لڑکے کو کالر سے پکڑ کر وین سے نکال چکا تھا۔

"اپنے باپ کا مال سمجھا تھا۔" شاہ زیب نے دھاڑتے ہوئے ایک گھونسا اس لڑکے کو رسید کیا تھا، خوف سے طروب کی چیخیں بلند ہو گئی تھیں کہ تب شاہ میر سرعت سے اسے اپنے قریب کرتا ایک طرف ہٹ گیا تھا، طروب کی آنکھیں خوف اور وحشت سے پھٹ گئی تھیں، اس نے کہاں دیکھے تھے شاہ زیب کے یہ تیور، شاہ میر سمیت کسی نے بھی اسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی، جو اس لڑکے پر تھپڑوں، گھونسوں اور لاتوں کی بارش کر رہا تھا، ایک بھونچال سا آ گیا تھا وہاں، شاہ زیب کی دھاڑوں اور اشتعال پر طروب کی حالت

مزید غیر ہو رہی تھی، شاہ میر نے محسوس کرتے ہی اسے تسلی دے کر گاڑی میں بٹھایا تھا اور پھر شاہ زیب کو ٹھنڈا کرنے اس طرف دوڑ گیا تھا، طروب کو کچھ ہوش نہیں کہ پولیس نے کیا کاروائی کی، کب ان لڑکوں کو حراست میں لے کر وہاں سے گئی، کب ان کی اپنی گاڑی گیرج سے روانہ ہوئی، اس کے اوسان گھر پہنچنے تک خطا رہے تھے، سن دماغ نے تب کام کرنا شروع کیا جب اس نے گھر میں قدم رکھا۔

☆☆☆

صوفے پر دبکی بیٹھی وہ اس وقت بالکل بھی شاہ زیب کا سامنا کرنے کے لئے تیار نہیں تھی، اس لئے تو شاہ میر کے ایک ہی اشارے کو غنیمت سمجھ کر گھر میں داخل ہوتے ہی ڈرائنگ روم میں آ چھپی، جو جلال وہ شاہ زیب کا دیکھ چکی تھی اس کے بعد تو اسے اپنی بھی خیر نظر نہیں آ رہی تھی، ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے شاہ میر نے کافی ترحم آمیز نظروں سے اسے دیکھا تھا، وہ بالکل کسی سہمے ہوئے ہرن کے بچے جیسی لگ رہی تھی۔

''فکر مت کرو، وہ اس وقت غصے میں ضرور ہے مگر تم سے فی الحال کوئی باز پرس کرنے نہیں آئے گا۔'' شاہ میر کے تسلی دینے پر بھی اس کا ڈر ختم نہیں ہوا تھا۔

''جانتی ہو، تمہارے چہرے نے مجھے سارا غصہ بھلا دیا ورنہ اب تک تین چار تھپڑ لگا چکا ہوتا تمہیں، کیوں خود کو خطرے میں ڈالا تم نے؟ جانتی ہو ہم کتنے گھنٹوں سے تمہاری تلاش میں مارے مارے پھر رہے تھے، شاہ زیب کس قدر پریشان تھا اس کا اندازہ تم نہیں لگا سکتیں، اتنا پریشان میں نے پہلے اسے کبھی نہیں دیکھا اور نہ ہی کبھی میں نے اسے اتنے اشتعال میں کسی پر تشدد کرتے دیکھا، اس نے تو حق پر ہوتے ہوئے بھی کبھی کسی سے تکرار تک نہیں کی، تم تو خود جانتی ہو اس کی فطرت کو، بہر حال تم نے آج جو کیا اس نے مجھے بہت مایوس کیا، شاہ زیب سے تم ناراض تھیں، ٹھیک ہے مگر مجھے تو تم نے کسی گنتی میں نہیں رکھا، میں ہی اس غلط فہمی میں مبتلا تھا کہ شاہ زیب سے زیادہ تم مجھ پر بھروسہ کرو گی، ہماری بے خبری میں اگر تمہیں کوئی نقصان خدانخواستہ پہنچ جاتا تو میں بھی کبھی خود کو معاف نہیں کرتا۔'' شاہ میر کے ناراضی سے کہنے پر اس نے شرمندگی سے سر جھکا لیا تھا۔

''اس دنیا میں رہنے کے لئے اپنے حقوق پہچاننا ضروری ہیں، اس زمین پر قدم جمائے رکھنے کے لئے اپنے حق کو حاصل کرنا ضروری ہے، تم کسی سیارے کی نہیں اس دنیا کی مخلوق ہو، اپنے حق کو چھوڑ دینا کہاں کی عقلمندی ہے، تمہارے اس ایثار اور قربانی کے جذبے سے تمہیں کچھ حاصل وصول ہونے والا نہیں، جس حق سے اس گھر میں آئی ہو، اس حق سے یہاں رہو۔'' شاہ میر کے سمجھانے پر اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہوئی تھیں۔

''وہ بھی تو نہیں چاہتے کہ میں اس گھر میں رہوں نہ ہی شہر مینہ چاہتی ہے تو پھر میں کیسے.....''

''اس کا تو نام بھی مت لو تم۔'' شاہ میر نے ناگواری سے درمیان میں اسے ٹوکا تھا۔

''نہ تم سے زیادہ اہمیت ہے اس کی نہ تم سے زیادہ حق رکھتی ہے وہ اس گھر پر۔''

''یہ تو آپ کہتے ہیں مگر میں جان چکی ہوں، آکا جان بیزار ہیں مجھ سے، پچھتا رہے ہیں مجھے ساتھ یہاں لا کر، اسی لئے تو مجھ بوجھ سمجھ کر اتار پھینکنا چاہتے ہیں، آپ کچھ بھی کہیں مگر میں اب اس گھر میں نہیں رہنا چاہتی، آپ میرے لئے کسی ہاسٹل کا بندوبست کر دیں۔'' اس

کی بات ادھوری رہ گئی جب شاہ زیب کی آمد ہوئی تھی، اس کے خطرناک حد تک سنجیدہ تاثرات کو دیکھنے کے بعد طروب کی ہمت نہیں ہوئی تھی نگاہ اٹھانے کی۔

''شاہ! مگر اسے لگتا ہے کہ میں اس سے بیزار ہوں، اسے یہاں ساتھ لا کر پچھتا رہا ہوں یا یہ کہ اسے بوجھ سمجھ کر جان چھڑانا چاہتا ہوں تو اسے ایسا ہی سمجھنے دو مگر ایک بات اسے اپنی زبان میں سمجھا دو کہ آج جو حرکت اس نے کی اس کو دہرانے کا پھر کبھی سوچا بھی یا میری اجازت کے بغیر اس گھر سے قدم بھی باہر نکالا تو میں اس کے ہاتھ پیر توڑ کر ایک کونے میں اسے ڈال دوں گا اور میں قسم اٹھاتا ہوں کہ میں ایسا ہی کروں گا۔'' اس کے بھڑکتے لہجے اور وارننگ پر طروب کی سانس ہی رک گئی تھی، ساکت نظروں سے وہ اس کی پشت کو دیکھ رہی تھی جو بات ختم کر کے اسی جارحانہ قدموں سے واپس جا رہا تھا۔

''چلو ایک مسئلہ تو حل ہو گیا، اب مجھے دنیا کی کوئی طاقت روزانہ تمہارے ہاتھ سے بنا کھانا کھانے سے نہیں روک سکتی۔'' مسکراتے ہوئے شاہ میر نے اس کے ہراساں تاثرات کو دیکھا تھا۔

''فی الحال تو میں نے پزا آرڈر کر دیا تھا، یقیناً تم بھی بھوک محسوس کر رہی ہو، اب جلدی سے جا کر ہاتھ منہ دھو آؤ، ہم دونوں یہیں پیٹ پوجا کر لیں گے۔'' شاہ میر بولتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔

''اور ہاں کل تک اس کا غصہ ٹھنڈا ہو ہی جانا ہے، اس لئے کل ہی تم اس سے معذرت کرنا اور یہ ضروری ہے کہ بہر حال غلطی تم سے سرزد ہوئی ہے۔'' شاہ میر کی تائید پر وہ خاموش رہی تھی۔

☆☆☆

دن چڑھے اس کی نیند سیل فون کی چنگاڑتی آواز سے ٹوٹی تھی، حسب توقع شاہ میر کی کال تھی۔

''اب کیسی طبیعت ہے تمہاری، چوٹ میں زیادہ درد تو نہیں ہے؟''

''آپ نے جو رات میں ٹیبلٹس دی تھیں، انہوں نے کافی اثر دکھایا بہت معمولی سا درد ہے اب۔'' اسے بتاتے ہوئے طروب نے اپنے چہرے کو چھوا تھا، سوجن بھی اسے اب زیادہ محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

''آپ اور آکا جان کس وقت گئے پتہ ہی نہیں چلا، آپ مجھے آواز ہی دے دیتے میری موجودگی کے باوجود آپ دونوں نے ناشتہ تک نہیں کیا ہو گا۔'' وہ شدید شرمندگی سے بولی تھی۔

''اب کہاں تک آوازیں لگا لگا کر ملکہ طروب کو اس غفلت سے بیدار کروں کہ ہوش کے ناخن پکڑو، تمہارے اختیار میں ہی ہے سب کچھ، کرنے پر آؤ تو جو چاہو کر سکتی ہو مگر یہ ہماری ملکہ طروب ہیں کہ خود ترسی کے خول سے ہی باہر نہیں نکل رہی ہیں۔'' شاہ میر نے خشمگیں لہجے میں جتایا تھا۔

''سوری، اب میری طرف سے آپ کو کوئی مایوسی نہیں ہو گی۔'' وہ کچھ شرمندگی سے بولی تھی۔

''لگتا ہے سمجھ گئی ہو، بہت اچھی بات ہے، ایسے ہی ڈھٹائی کی حد تک مضبوط رکھنا خود کو اپنے آکا جان کی طرح۔'' شاہ میر کے مسکراتے لہجے پر وہ بھی مسکرائی تھی۔

چائے کے سپ لیتی وہ اب آگے کے لائحہ عمل پر سوچ رہی تھی، شاہ میر کی ہدایتیں بالکل ٹھیک تھیں، اس طرح خود ترسی میں مبتلا رہنے سے کچھ حاصل نہیں ہونے والا، جب اسے اس

گھر میں رہنا ہے تو سب سے پہلے اسے اس گھر کے انتظام کو اپنے ہاتھ میں لینا ہوگا، یہاں اپنے قدم جمانے ہوں گے، جہاں تک معاملہ تھا شاہ زیب اور شہریہ کا تو اس بارے میں وہ کچھ نہیں سوچنا چاہتی تھی، کیونکہ اس بارے میں سوچنے سے ہی اس کا دم گھٹنے لگتا تھا۔

شروعات اس نے کچن سے کی تھی، دوپٹہ کمر سے باندھے وہ کچن کی صفائی ستھرائی میں مصروف تھی کہ گھر کی ملازمہ جس کے ذمے گھر کی صفائی، ستھرائی، دھلائی تھی اس کی آمد ہوگئی تھی، زیتون ایک معمر خاتون تھی، پوتے نواسوں والی عورت تھی مگر بہت محنت کش، ایماندار اور مضبوط اعصاب کی مالک، یہاں کے دیگر اپارٹمنٹس میں بھی وہ کام کرتی تھی، یہاں اسے قدسیہ نے ہی کافی مطمئن ہونے کے بعد مستقل رکھا تھا، حالانکہ شاہ زیب بالکل اس حق میں نہیں تھا مگر قدسیہ جانتی تھیں کہ صفائی وغیرہ کے لئے اگر کسی ملازمہ کو یہاں نہ رکھا تو شاہ زیب کی دن رات کی محنت سے خریدا گیا گھر کباڑ خانہ بن جائے گا۔

زیتون اسے ایک طرف ہٹا کر خود کچن کی دھلائی کرنے لگی تھی، ساتھ ساتھ وہ قدسیہ کے لئے بھی دکھ کا اظہار کرتی اور دلاسے دیتی رہی تھی، کچن سے فارغ ہو کر طروب اس کے ساتھ ہی ڈسٹنگ وغیرہ کرواتی رہی تھی، زیتون کو اس نے کل ذرا جلدی آنے کی تاکید کی تھی، کیونکہ وہ کل ہی سارے پردے، کورز اور بیڈ شیٹ کو واش کرنے کا ارادہ رکھتی تھی۔

لنچ اس نے ہلکا پھلکا ہی لیا تھا، شاہ میر سے اسے معلوم ہو گیا تھا کہ وہ اور شاہ زیب لنچ عموماً اکیڈمی میں یا پھر باہر ہی کرتے ہیں مگر اکیڈمی کی ذمہ داریوں کے باعث ایسے بہت کم ہی ہوتا کہ وہ دونوں باہر لنچ کریں، آج طروب نے اسے تاکید کر دی تھی کہ رات کے کھانے کے لئے وہ دونوں وقت پر پہنچ جائیں۔

لاؤنج کے دیوار گیر آئینے کے سامنے نم بالوں میں برش پھیرتے ہوئے اس نے وال کلاک میں وقت دیکھا تھا، رات کے ساڑھے دس بج چکے تھے، آدھے گھنٹے پہلے شاہ میر نے کہا تھا کہ ان دونوں کو پہنچنے میں پندرہ منٹ لگیں گے، کافی مستعدی سے اس نے کچن کے بجائے ہال میں ڈائننگ ٹیبل ریڈی کر دی تھی بس ان دونوں کے آنے پر گرم گرم کھانا ڈشز میں نکالنا تھا، پشت پر چمکتے سیاہ ریشمی بالوں میں کیچر اٹکا کر اس نے اپنے عکس کو آئینے میں دیکھا تھا، کاٹن کے ہلکی سی ایمبرائیڈری سے لیس فیروزی لبادے میں اسے اپنا آپ تھکا تھکا ہی دکھائی دیا تھا، تھکے تھکے قدموں سے وہ ٹیرس پر آ گئی تھی، چند منٹ ہی گزرے تھے جب مین گیٹ سے گرے سوک نمودار ہوئی دکھائی دی تھی۔

''شکر ہے ہمارے نصیب بھی جاگے، کوئی مسکرا کر ہمارے لئے بھی دروازے پر استقبال کے لئے موجود ہے اب۔'' شاہ میر کے کہنے پر وہ دھیرے سے مسکرائی تھی جبکہ اندر آتے شاہ زیب نے ایک اچٹتی مگر گہری نظر اس کے چہرے پر ڈالی تھی، چوٹ کا نشان اب بھی اس کے چہرے پر موجود تھا مگر کل کی طرح خطرناک حد تک سوجن چہرے پر نہیں تھی۔

''بہت خوب، یعنی ہماری ملکہ طروب نے اپنی سلطنت کا چارج سنبھال لیا ہے، گھر بھی خوب چمک رہا ہے، خوشبوئیں بھی عمدہ اٹھ رہی ہیں کچن سے، میں تو ٹوٹ پڑوں گا کھانے پر، ویسے بنایا کیا ہے؟'' اس کے پیچھے ہی کچن میں آتا شاہ میر اشتیاق سے پوچھ رہا تھا۔

''فریز کیا ہوا کچن ہی دستیاب تھا گھر میں،

اس لئے چکن پلاؤ اور چکن کباب ہی بنا سکی ہوں۔'' وہ شرمندہ سی ہو کر بتا رہی تھی۔

''محترمہ! آپ کو اندازہ نہیں کہ یہ بھی ہمارے لئے کسی شاہی کھانے سے کم نہیں۔'' بجاپ اڑاتے پلاؤ کی ڈش اس سے لیتے ہوئے وہ بڑی عاجزی سے بولا تھا۔

اس سے پہلے کہ بھوک سے بے چین ہو کر وہ دوبارہ شاہ زیب کو پکارتا اس کی آمد ہوگئی تھی، طروب نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا تھا جو گہرے سنجیدہ تاثرات کے ساتھ شاہ میر کے ساتھ ہی کرسی پر بیٹھ رہا تھا۔

''ملکہ طروب کی بدولت اب تم میرے ڈنر کے اخراجات سے آزاد ہو چکے ہو، تمہیں ان کا شکر گزار ہونا چاہیے۔'' شاہ میر کے کہنے پر اس نے بس ایک نگاہ طروب کے جھکے چہرے پر ڈالی تھی۔

کھانا خاموشی سے کھاتے ہوئے چند منٹ گزرے تھے جب شاہ میر بولا تھا۔

''طروب! کچن کے لئے جو سامان وغیرہ چاہیے اس کی لسٹ بنا کر مجھے دے دو بلکہ بہتر یہ ہوگا کہ تم میرے ساتھ ہی چلنا مجھے گھریلو، خانہ داری کی چیزوں کی خریداری کا بالکل تجربہ نہیں۔''

''جی کل ہی لسٹ بنا لیتی ہوں۔''

''ٹھیک ہے پھر دوپہر تک تیار رہنا۔'' اسے ہدایت کر کے وہ شاہ زیب کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

''اگر تم جانا چاہو تو طروب کے ساتھ چلے جاؤ، ایک گھنٹے کی بات ہے۔''

''نہیں، تم چلے جانا۔'' شاہ زیب نے جواب دیا تھا۔

''میرا خیال ہے جو سامنے اسٹڈی روم کے ساتھ کمرہ ہے، اسے طروب کے لئے سیٹ کر دینا چاہیے، کیا خیال ہے طروب؟'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد شاہ میر بولا تھا۔

''کیا ضرورت ہے، میں جہاں ہوں ٹھیک ہوں۔'' وہ بولی تھی۔

''ضرورت کیوں نہیں ہے؟'' شاہ میر نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

''ہمارا کیا ہے ہم تو جہاں سینگ سمائیں ایڈجسٹ کر جاتے ہیں مگر تم لڑکی ہو تمہیں پرائیویسی کی ضرورت ہے، ویسے بھی مجھے تو مطالعے سے کچھ زیادہ رغبت نہیں، نہ ہی ہم دونوں کے پاس اسٹڈی روم میں جانے کا وقت ہوتا ہے، تمہارا فری ٹائم ان کتابوں کے ساتھ اچھا گزرے گا، بس وہاں کچھ ترتیب اور کچھ فرنیچر کی ضرورت ہوگی، تم کیا کہتے ہو؟'' شاہ میر نے خاموشی سے کھانا کھاتے شاہ زیب کو مخاطب کیا تھا۔

''ہاں ٹھیک ہے۔'' شاہ زیب کے مختصر جواب پر طروب گہری سانس لے کر پانی کے گلاس کی طرف متوجہ ہوگئی تھی، ٹیبل صاف کرنے میں شاہ میر نے بڑی فراخدلی سے اس کی مدد کی تھی، برتن دھو کر کچن کی صفائی کرنے کے بعد اس نے شاہ میر کی فرمائش پر کافی تیار کی تھی، لاؤنج میں شاہ زیب لیپ ٹاپ میں اور صوفے پر نیم دراز شاہ میر اپنے فون میں مصروف تھا، دونوں کو کافی کے مگ تھمانے کے بعد طروب کو سمجھ نہیں آیا تھا کہ رکے یا جائے۔

''تم نے اپنے لئے کافی نہیں بنائی؟''

''نہیں، موڈ نہیں کافی کا۔''

''کھڑی کیوں ہو، آکا جان کا لیپ ٹاپ چھین کر بھاگو گی کیا؟ بیٹھ جاؤ۔'' اس کے شرارتی لہجے پر شاہ زیب بس ایک نظر اسے دیکھ کر رہ گیا تھا جبکہ طروب شرمندہ سی ہو کر صوفے پر ٹک گئی تھی، کافی دیر تک شاہ میر ایسے ہی اِدھر اُدھر کی

باتیں کرتا رہا تھا، طروب کو بھی وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوا لیکن وہ اس لمحے چونک گئی جب شاہ میر باتیں کرتے کرتے ہی نیند میں ڈوب گیا، طروب کو اندازہ تھا کہ صرف اسے وقت دینے کے لئے شاہ میر اپنی تھکن بھلائے نیند کو پرے دھکیلتا رہا تھا مگر اب نیند اس طرح حاوی ہوئی تھی کہ وہ خود بھی بے خبر رہا، طروب کو اپنے دل میں اس کی قدر پہلے سے زیادہ محسوس ہوئی تھی، دھیرے سے اپنی جگہ سے اٹھ کر وہ شاہ میر کی طرف بڑھی تھی دوسری جانب شاہ زیب نے کچھ حیرت سے اسے دیکھا تھا جو احتیاط سے شاہ میر کا سیل فون جو اس کے سینے پر دھرا تھا اسے اٹھا کر ٹیبل پر رکھنے کے بعد واپس صوفے کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی تھی اور پھر شاہ میر کے صوفے سے لٹکے ہاتھ سے اس نے پہلے رسٹ واچ اتاری تھی اور پھر ہاتھ کو تھام کر دھیرے سے شاہ میر کے پہلو میں ہی صوفے پر رکھ دیا تھا، شاہ میر کی رسٹ واچ بھی سینٹرل ٹیبل پر رکھ کر وہ وہاں سے جا رہی تھی جب غیر متوقع طور پر ابھرتی پکار نے اسے بری طرح چونکا کر رکنے پر مجبور کر دیا تھا۔

''یہاں آ کر بیٹھو۔'' شاہ زیب نے دائیں جانب صوفے کی سمت اشارہ کرتے ہوئے اسے مخاطب کیا تھا، دوسری جانب وہ جو دنگ تھی، کچھ تذبذب کے ساتھ سر جھکائے صوفے پر جا کر بیٹھ گئی تھی۔

''طروب! ایم ریئلی سوری، ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔'' اس کے لہجے کی ندامت کو محسوس کر کے طروب نے نگاہ اٹھائی تھی مگر وہ اس کی جانب نہیں دیکھ رہا تھا۔

''میں جانتا ہوں میری بہت سی باتوں نے تمہیں ہرٹ کیا ہے، تمہاری تکلیف میں اضافہ کیا ہے لیکن میرا یقین کرو میرے ہر عمل ہر بات کے پیچھے تمہاری بھلائی پوشیدہ تھی، میں نے کسی کی وجہ سے تمہیں ہرٹ کرنے کی کوشش نہیں کی، میں تمہارے لئے سب کچھ ٹھیک کرنا چاہتا ہوں، میرے لئے اس وقت بھی سب سے بڑھ کر سب سے اہم تم ہو، تمہارے لئے میں کبھی کسی کی غلط بات برداشت نہیں کر سکتا، دنیا ہمارے دل میں نہیں جھانکتی نہ ہی وہ ہماری نظر سے سب کچھ دیکھتی ہے، دنیا وہی سب دیکھتی ہے جو وہ دیکھنا چاہتی ہے۔''

''معافی میں آپ سے مانگتی ہوں، میری وجہ سے آپ کو تکلیف پہنچی، کبھی کبھی حالات ایسے دوراہے پر لے جاتے ہیں کہ سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی ہم کچھ سمجھنا نہیں چاہتے، نظریں چرا لیتے ہیں حقیقت سے۔'' طروب کے سپاٹ لہجے پر شاہ زیب نے بغور اسے دیکھا تھا۔

''یہی بہتر تھا کہ میں ہاسپٹل شفٹ ہو جاتی میں اب وہیں رہنا چاہتی ہوں۔''

''لیکن اب میں چاہ کر بھی تمہیں ہاسپٹل نہیں بھیج سکتا۔'' شاہ زیب نے اس کی بات کاٹی تھی۔

''کل تمہارے غائب ہونے کے بعد جو خدشات مجھے لاحق ہوئے میں دوبارہ ان میں گرفتار نہیں ہونا چاہتا، تمہاری طرف سے میں مطمئن نہیں رہ سکوں گا ہاسپٹل بھیجنے کے بعد، یہاں سیکیورٹی ہے یا کچھ اور بہرحال مجھے اس گھر سے باہر کے حالات پر بھروسہ نہیں، یہ تمہارا گھر ہے، حق ہے تمہیں کہ تم یہاں رہو، تم چاہو تو مجھے بھی اس گھر سے نکل جانے کا حکم دے سکتی ہو، میں ساری زندگی یہ کوشش کرتا رہوں گا کہ میرے کسی عمل سے تمہیں ایسی کوئی شکایت نہ ہو جو روز قیامت مجھے میرے ماں باپ کے سامنے شرمسار کرے۔'' اس کے گہرے سنجیدہ لہجے پر طروب

نے بس اسے دیکھا تھا۔

''تم سے بس میں اتنی توقع رکھتا ہوں کہ تم اپنے لئے میرے بس ایک فیصلے پر غور کرو۔'' ایک پل غور کر کے شاہ زیب نے پہلے گہری نیند سوئے شاہ میر کو ایک نظر دیکھا اور پھر طروب کو۔

''تم یہاں رہ کر دیکھو گی کہ شاہ میر اس سے کہیں زیادہ مخلص اور اچھا انسان ہے جتنا کہ تم اسے دیکھ چکی ہو۔'' موضوع کا رخ بدلتا محسوس کر کے طروب کے چہرے کے تاثرات بھی بدلے تھے۔

''تم جانتی ہو کہ میں اپنے بعد تمہارے لئے صرف شاہ میر پر بھروسہ رکھتا ہوں، وہ.....'' یکدم رک کر شاہ زیب نے اسے دیکھا تھا جو اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''طروب!'' اس کی پکار پر بھی وہ نہیں رکی تھی، جانے کیا سوچ کر شاہ زیب اس کے پیچھے گیا تھا۔

''طروب باہر آ کر میری بات سنو۔'' تیسری بار ڈرائنگ روم کے بند دروازے پر دستک دیتے ہوئے اسے بولنا پڑا تھا اس بار ایک جھٹکے سے دروازہ کھل گیا تھا۔

''آپ کو سمجھ نہیں آیا کہ میں آپ کی مزید کوئی بات نہیں سننا چاہتی۔'' اس کے سرخ چہرے اور غصیلے لہجے پر وہ دم بخود کھڑا رہ گیا تھا دوسری جانب طروب مزید کچھ کہے بغیر واپس دروازہ بند کر گئی تھی، شاہ زیب جانتا تھا کہ وہ انجانے میں عجلت کا مظاہرہ کر کے طروب کو ڈسٹرب کر گیا ہے، یہ انداز، یہ خود سر تیور طروب کے کبھی نہیں رہے تھے، وہ بہت ادب، لحاظ اور مروت رکھنے والی لڑکی تھی، اپنی غلطی کا احساس ہونے کے باوجود بہرحال شاہ زیب کو اپنے ساتھ اس کا یہ طرز تخاطب بہت برا لگا تھا۔

☆☆☆

اگلے چند دن تک وہ گھر کے لئے اور اپنے کمرے کے لئے کچھ ضروری چیزوں کی خریداری میں مصروف رہی، اس سلسلے میں ظاہر ہے شاہ میر کی مدد حاصل رہی، اس کے اور شاہ زیب کے درمیان قطعی لاتعلقی کو محسوس کرنے کے بعد بھی شاہ میر نے اس سے کوئی سوال نہیں کیا تھا، لیکن اسے اندازہ نہیں تھا کہ اپنی انا کو پرے دھکیل کر اسے خود ہی اس لاتعلقی کو ختم کرنا ہوگا۔

اس شام وہ گھر کے کچھ کام نپٹا کر اپنے لئے چائے بنا رہی تھی، جب شاہ میر نے کال کر کے بتایا کہ شاہ زیب گھر پہنچ رہا ہے کیونکہ اس کی طبیعت اچانک بہت ناساز ہو گئی ہے، اس کا خیال رکھنے اور اس کی خیریت سے باخبر کرتے رہنے کی اس نے خصوصی تاکید طروب کو کی تھی۔

دروازہ کھولتے ہی وہ سخت تشویش میں مبتلا ہوئی تھی، رکے بغیر شاہ زیب تیزی سے اپنے کمرے کی سمت گیا تھا، گھبرا کر اس کے پیچھے ہی بھاگی آئی تھی، واش روم کے بند دروازے کے پاس وہ پریشان کھڑی تھی جب شاہ زیب سرخ انگارہ آنکھوں اور نڈھال قدموں سے باہر نکلا تھا، وومیٹنگ نے اس کی حالت اتنی ڈاؤن کر دی تھی کہ وہ بے ترتیب سا بیڈ پر ڈھے گیا تھا۔

''لنچ میں کیا لیا تھا آپ نے؟ شاہ نے آپ کو ڈاکٹر سے چیک اپ کروانے کا کہا تھا گئے تھے آپ؟'' طروب کے سوالوں کے جواب میں وہ بس سر پکڑے درد سے کراہ رہا تھا۔

''میں آپ کے لئے دودھ اور ٹیبلٹ لاتی ہوں، منٹوں میں سر درد دور ہو جائے گا۔'' اسے تسلی دیتی وہ کچن کی سمت دوڑی تھی۔

طروب کے بہت اصرار پر وہ بمشکل تمام ٹیبلٹ کھانے کے لئے اٹھ کر بیٹھا تھا، ٹیبلٹ کے

ساتھ اس نے بمشکل چند گھونٹ لئے تھے اور تکیے پر سر گرا لیا تھا، دودھ کا گلاس طروب نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا ہی تھا جب شاہ زیب نے سرعت سے اٹھنے کی کوشش کی مگر دیر ہوگئی، طروب جو پہلے سے ہوشیار ہوگئی تھی تیزی سے اس نے ہاتھوں کا پیالہ بنا کر شاہ زیب کے سامنے کر دیا تھا، دودھ کے چند گھونٹ سالم ٹیبلٹ سمیت طروب کے ہاتھوں میں آ گئی تھی، واش بیسن میں ہاتھ دھو کر وہ گیلا ٹاول لے کر الٹے قدموں واپس آئی تھی، ٹاول سے شاہ زیب کا شدید بخار میں تپتا چہرہ صاف کرتے ہوئے اس کے اوسان خطا ہونے لگے تھے، اس وقت جب نیم غشی کی کیفیت میں اس نے شاہ زیب کو کچھ بڑبڑاتے سنا تھا، ذرا جو کان لگا کر سنا تو دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا، وہ کلمہ پڑھ رہا تھا اور پڑھے جا رہا تھا، چند لمحوں تک وہ وحشت سے پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی تھی اور پھر شاہ زیب کے فون سے ہی شاہ میر کو کال کرتے ہوئے اس کی سسکیاں بلند ہو گئی تھیں۔

''آپ جلدی آ جائیں، اگر ان کو کچھ ہو گیا تو میں بھی زندہ نہیں رہوں گی، وہ کلمہ پڑھ رہے ہیں۔''

''بے وقوف لڑکی! رونا بند کرو، وہ کوئی آخری کلمہ نہیں پڑھ رہا، میں دس منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔'' واقعی کوئی دس منٹ کا وقت ہی گزرا ہوگا جب شاہ میر ڈاکٹر کے ہمراہ آ پہنچا تھا، اس دوران وہ شاہ زیب کے بخار کی شدت کو دیکھتے ہوئے اس کے ماتھے پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھتی رہی تھی۔

طروب کے ہاتھ پیر پھول رہے تھے، ڈاکٹر چیک اپ کر کے فارغ ہوئے تو شاہ میر ان کے ساتھ ہی چلا گیا تھا، اس کی واپسی کی راہ دیکھتی وہ شاہ زیب کو بھی تسلی دیتی رہی تھی، بخار کی شدت اور سر درد میں کوئی کمی نظر نہیں آ رہی تھی، وہ ایک منٹ کے لئے بھی پرسکون نہیں ہوا تھا، ضبط کی شدت سے اس کی کنپٹیوں کی رگیں پھڑک رہی تھیں، اس کی آگ کی طرح جلتی پیشانی پر ہاتھ رکھے وہ دعائیں پڑھ پڑھ کر اس کے سر اور سینے پر پھونک رہی تھی، اسی دوران شاہ میر دوائیں وغیرہ لے آیا تھا جو ڈاکٹر نے لکھ کر دی تھیں۔

''اُف میرے خدا، کن لوگوں میں پھنس گیا ہوں۔'' شاہ میر نے اپنا سر پکڑ لیا تھا۔

''کیوں روئے جا رہی ہو احمق؟''

''دیکھ نہیں رہے ان کی حالت کلمہ پڑھنے پر آ گئے ہیں۔'' وہ گلوگیر لہجے میں بات مکمل بھی نہیں کر سکی تھی کہ ایک بار پھر شاہ زیب کلمہ پڑھتے ہوئے سینے کے بل ہوتا پھر غافل ہو گیا تھا۔

''سال میں ایک بار اس کی طبیعت خراب ہوتی ہے اور اسی میں یہ پورے سال کے کلمے پڑھ لیتا ہے، تمہیں پتہ نہیں ہے کیا؟'' شاہ میر خشمگیں لہجے میں بولا تھا۔

''میں تو پہلی بار دیکھ رہی ہوں، آپ ہی ایک بار امی کو بتا رہے تھے کہ یہ بخار میں اللہ اکبر کے ورد کے سوا کچھ بول ہی نہیں رہے تھے۔'' شاہ زیب پر نظر جمائے وہ کمزور آواز میں بولی تھی۔

''اللہ اکبر کا ورد بھی سن لینا، پہلے کلمے پڑھ کر ایمان تازہ کر لینے دو۔'' دوائیاں چیک کرتا وہ بولا تھا۔

''اب ذرا جلدی سے دودھ کا گلاس لے آؤ، میں اسے اپنے سامنے ٹیبلٹس دیتا ہوں اور تمہیں بھی سمجھا دیتا ہوں کہ ایک گھنٹے بعد کون سی ٹیبلٹس دینی ہیں، ذرا جلدی مجھے اکیڈمی پہنچنا ہے۔'' عجلت میں باہر جاتی طروب کو ہدایت دیتا وہ شاہ زیب کی طرف متوجہ ہو گیا تھا، شاہ میر کو وہ

گیٹ تک چھوڑنے آئی تھی، گیٹ بند کرتے ہوئے اس کی سماعتوں سے شاہ زیب کی پکار ٹکرائی تو وہ ہول کر واپس کمرے میں بھاگی آئی تھی۔

''یہیں بیٹھی رہو، میرے سر پر دم کرو، سر پھٹ رہا ہے میرا۔'' اس کی سرخ انگارہ آنکھوں اور برہم سے مگر تکلیف سے دوہرے لہجے پر وہ جھٹ پھر اس کے سرہانے بیٹھی تھی۔

''دوا کا اثر ہوتے بخار کم ہوگا تو درد بھی ختم ہو جائے گا، آپ کی طبیعت تھوڑی ہی دیر میں بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔'' طروب نے اسے تسلی دی تھی۔

''بخار نہیں ہونا چاہیے، اب تو امی بھی نہیں ہیں، میرے لئے دعا کرنے کے لئے۔'' اس کے گراہتے لہجے پر طروب کا ہاتھ اس کی پیشانی پر ساکت ہوا تھا، شاہ زیب کی بند آنکھوں کو دیکھتے ہوئے اس کا دل اَن ہی شکنجے میں جکڑا تھا، دل میں درد کی لہریں اٹھیں اس کے بند لبوں سے نکرا رہی تھی، شاہ زیب تو پھر غافل ہو گیا تھا مگر اس کا سر دباتے ہوئے طروب کا چہرہ گرم سیال سے بھیگتا رہا تھا۔

جانے کتنا وقت بیت گیا تھا، اسے احساس ہی نہ ہوا تھا، اس کا ہاتھ مستقل شاہ زیب کے سر پر حرکت کر رہا تھا، چونکی وہ اس وقت جب اپنے ہاتھ کی ہتھیلی تلے اسے ہلکی ہلکی نمی محسوس ہوئی تھی، چند لمحوں تک وہ اس کے سرخ چہرے اور پیشانی پر چمکتے پسینے کے قطروں کو دیکھتی رہی تھی، اس کے وجیہہ چہرے پر نقاہت سی پھیلی تھی، پتلی سی مغرور کھڑی ناک تلے لب خشک دکھائی دے رہے تھے، اپنے دوپٹے سے بہت احتیاط کے ساتھ اس کے چہرے سے پسینے کے قطرے صاف کرتے ہوئے طروب کا دل بہت عجیب انداز میں دھڑکنے لگا تھا، دھیرے دھیرے اس کے لائٹ سے براؤن نرم بالوں میں انگلیاں پھیرتے پھیرتے یکدم اسے اپنے ہی آپ سے کچھ خوف اور گھبراہٹ سی محسوس ہونے لگی تھی، تب ہی اس کے بے سدھ وجود کو حرکت کرتے دیکھ کر طروب نے اپنا ہاتھ اس کے سر سے ہٹایا تھا، نیند میں ہی وہ سینے کے بل ہوتا گہری نیند میں ہی تھا، اس پر چادر ٹھیک کرتے ہوئے وہ اس کے سرہانے سے اٹھ کر بیڈ کے قریب نیچے کارپٹ پر بیٹھ گئی تھی، بیڈ کے کنارے رکھے اپنے بازوؤں پر ٹھوڑی ٹکائے وہ بغیر پلک جھپکے جانے کیوں بس اسے دیکھے گئی تھی، تکیے پر رکھے شاہ زیب کے چہرے کا رخ اسی کی جانب تھا، ایک طویل عرصے سے وہ اسی ایک شخص کے چہرے کو جاگتی اور بند سوئی آنکھوں سے دیکھتی رہی تھی، یہ چہرہ کسی یونانی دیوتا کا نہیں تھا، وہ تو بس یہ جانتی تھی کہ اگر محبت کا کوئی چہرہ ہوتا تو بالکل اس خوابیدہ معصوم سے چہرے جیسا ہوتا، راحت کہاں تھی؟ اس کے مہربان سائے تلے، زندگی کہاں تھی، اس کی بانہوں کے مضبوط حصار میں، دل کا قرار کہاں تھا، بس اس کی ایک محبت بھری نگاہ میں، اس کے دامن کو چھوڑنا، اس سے جدا ہونا تو موت تھی، ایک ٹک اس کی بند آنکھوں کو دیکھتی وہ اردگرد سے غافل تھی۔

اس نے سنا تھا سچے اور بے لوث جذبے اثر رکھتے ہیں، وہ جانتی تھی کہ شاہ زیب کے لئے اس کے جذبے صبح کی روپہلی کرن جیسے تھے اور نیت پر کھوٹ سے بالاتر، پھر کیوں اس کے جذبے اثر نہیں کرتے، وہ کوئی سنگ مرمر کا مجسمہ تو نہیں تھا، جو بھی تھا اس انجان کے سوا وہ کسی اور کا تصور کرنا بھی گناہ سمجھتی تھی، اتنا قریب آ جانے کے بعد وہ اب کسی قیمت پر اسے اپنے جذبوں سے غافل نہیں رہنا دینا چاہتی تھی، خاموش جذبوں کو وہ

اب زبان دینا چاہتی تھی، چھیننا نہیں حاصل کرنا چاہتی تھی۔

اپنی سوچوں میں وہ اس قدر غافل تھی کہ شاہ زیب کی بند آنکھوں پر نظر جمائے رکھنے کے باوجود وہ اس کی کھلتی آنکھوں کا اندازہ بھی نہ کر سکی تھی، جب احساس ہوا تو دیر ہو چکی تھی، نظر وہ چرانا نہیں چاہتی تھی، اس کی نم آنکھیں اور شاہ زیب کی نیم وا آنکھیں، بنا پلک جھپکے اس گہرے خاموش نگاہوں کے ارتکاز میں کوئی جادو، کوئی سحر تھا، جانے کیوں طروب کے دل میں ایک کیف آگیں سی سرخوشی جاگی تھی، جیسے آنکھوں ہی آنکھوں میں اس نے کوئی معرکہ سر کر لیا تھا، شاہ زیب کے خوابیدہ سے چہرے اور سرخ خاموش نیم وا آنکھوں کو دیکھتے ہوئے اس کے لبوں پر ایک ہلکی سی مگر بھرپور مسکراہٹ رینگ گئی تھی، شاہ زیب چند لمحوں تک خاموش نظروں سے اس کی مسکراہٹ کا عکس اس کی جھلملاتی آنکھوں میں دیکھتا رہا تھا اور پھر نیم وا آنکھیں موند کر گردن کا رخ بدل کر اس کی جانب سے چہرہ پھیر گیا تھا، بے ساختہ اس کی اس حرکت پر طروب کے لبوں پر مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی، اس کی رگوں میں سرشاری اور نئی زندگی جیسے دوڑنے لگی تھی، کارپٹ سے اٹھ کر وہ بیڈ کے کنارے بیٹھی تھی۔

''چہرہ یا نگاہ پھیر لینا بہادری نہیں۔''

مسکراہٹ چھپائے وہ ذومعنی لہجے میں بولی تھی اور پھر اس کی پشت پر ہاتھ ٹکا کر قدرے اس کے شانے پر جھکی تھی۔

''میں آپ کے لئے بہت مزیدار سا سوپ بنانے جا رہی ہوں، بس پندرہ منٹ لگیں گے، تب تک شاہ بھی آجائیں گے، کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے آواز دے دیجئے گا۔'' بند آنکھوں سے اس کی آواز سنتے ہوئے وہ اپنی پشت پر اس کے ہاتھ کا گداز لمس اور اپنے شانے پر بکھرتی بھینی بھینی سی موتیا کی بند کلیوں کی خوشبو کو محسوس کرتا رہا تھا اس کے کمرے سے چلے جانے کے بعد بھی۔

☆☆☆

دوبارہ جب غنودگی کا زور ٹوٹا تو سر اور وجود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کیا، البتہ وہ پسینے میں شرابور ہو رہا تھا، چند لمحوں تک وہ کھلے دروازے کی سمت دیکھتا رہا تھا، گہری خاموشی سے اندازہ ہوا تھا کہ شاہ میر کی واپسی ابھی نہیں ہوئی ہے، گریبان کے بٹن کھولتا وہ بیڈ سے اٹھ کر واڑڈ روب کی سمت گیا تھا، طروب کی بدولت اب واڑڈ روب میں روزانہ کچھ لباس پریس شدہ ہینگ ہوئے مل جایا کرتے تھے، اس سہولت سے شاہ میر نے خوب فائدہ اٹھایا تھا، ہینگ کیا آفٹر شیو آرام دہ شلوار سوٹ نکال کر وہ واش روم کی سمت چلا گیا تھا، ہاتھ لے کر طبیعت کچھ فریش ہو گئی تھی، کمرے سے باہر آتے ہوئے لاؤنج تک اس کی متلاشی نظریں گئیں تھیں مگر طروب شاید کچن میں تھی۔

کچن کے باہر ہی اندر سے ابھرتی آواز پر اس کے قدم رک گئے تھے۔

''شاہ! کہیں ایسا تو نہیں، شہرینہ کی ناراضی اور قطع تعلق کی وجہ سے وہ ٹینس ہوں اور ان کی طبیعت پر اس کا اثر ہوا ہے۔'' کھٹ پٹ کی آوازوں کے درمیان طروب کی آواز سنائی دی تھی۔

''ابھی اتنے برے دن نہیں آئے، زیب پر، شہرینہ اور جونک میں ذرہ برابر فرق نہیں ہے، اس کا نہ ہونا ہی شاہ زیب کی اچھی صحت کی ضمانت.....'' شاہ میر کے لہجے میں ناگواری تھی۔

''یہ تو آپ سوچتے ہیں۔'' وہ بولی تھی۔

''میری سوچ میں کوئی مبالغہ نہیں، شاہ زیب مرد ہے، اپنی انا اور زبان کا پاس رکھنے کے لئے وہ کسی حد تک بھی جا سکتا ہے مگر اپنی زبان سے نہ پھر سکتا ہے نہ کمٹمنٹ سے۔''

''لیکن پھر بھی۔''

''ارے اب کیوں دماغ کھپا رہی ہو شہرینہ اور شاہ زیب نامہ طویل کر کے، بھوک سے آنتیں چیخ رہی ہیں میری۔''

''بس پانچ منٹ۔'' شاہ میر کی دہائی پر وہ بولی تھی۔

''پانچ منٹ کیا تم پانچ صدیاں لے لو مگر کبھی تو اس بارے میں سوچو کہ تمہارے آکا جان نے کتنے قابل اور خوبصورت بندے کا انتخاب کیا ہے تمہارے لئے۔'' شاہ میر کے لہجے میں شرارت تھی۔

''فضول مذاق۔'' وہ مصروف انداز میں اتنا ہی بولی تھی جبکہ شاہ میر مسکراتے ہوئے کچن میں داخل ہوتے شاہ زیب کی طرف متوجہ ہوا تھا جس کی کنپٹیاں سلگ اٹھی تھیں نظر آتے منظر پر۔

کاؤنٹر کے پاس طروب کافی مصروف نظر آ رہی تھی مگر اس کا دوپٹہ کرسی کی پشت پر پڑا تھا۔

''کیسی طبیعت ہے نصیب دشمناں؟'' شاہ میر نے مسکراتی نظروں سے اس کے بے حد سنجیدہ چہرے کو دیکھا تھا۔

''دعا ہے تمہاری۔'' بولتے ہوئے شاہ زیب نے کرسی سے دوپٹہ اٹھایا تھا۔

''یہ پکڑو۔'' طروب کو متوجہ کرتے ہوئے وہ لہجے کی ناگواری نہیں چھپا سکا تھا، فوراً آگے بڑھ کر دوپٹہ لے کر شانوں پر ڈالتے ہوئے وہ واپس کاؤنٹر کی طرف گئی تھی مگر اسے سانپ ضرور سونگھ گیا تھا، دوپٹہ شاہ زیب سے لیتے ہوئے بس ایک پل کو نگاہ ٹکرائی تھی، جو کچھ طروب کو اس کی آنکھوں میں نظر آیا تھا، وہ اس پر گھڑوں پانی ڈال گیا تھا، کھانا ٹیبل پر لگاتے ہوئے وہ کافی نروس تھی شکر تھا کہ شاہ میر، شاہ زیب کی طرف ہی متوجہ تھا، کھانے کے دوران شاہ میر نے نہ صرف کھانے کی بلکہ شاہ زیب کے لئے بنائے گئے سوپ کی بھی بہت تعریف کی کھانے کے بعد وہ شاہ میر کی فرمائش آنے سے پہلے ہی اس کے لئے کافی بنانے کی تیاری کر رہی تھی کہ شاہ میر نے آ کر اسے روک دیا تھا۔

''آئسکریم اور واک کا موڈ ہو رہا ہے، فٹا فٹ چلو۔''

''اس وقت؟'' وہ حیران ہوئی تھی۔

''تو کیا ہوا، اب چلو جلدی، شاہ زیب کو بتا دیا ہے میں.....''

''شاہ! مجھے اس حلیے میں باہر نہیں جانا۔''

''کیا ہوا ہے حلیے کو، بس ٹھیک ہے، چلو اب۔'' اس کی ایک سنے بغیر شاہ میر اس کا ہاتھ پکڑے باہر کھینچ لے گیا تھا، لاؤنج میں موجود شاہ زیب سے کچھ کہنے یا اجازت لینے کا موقع بھی طروب کو نہیں ملا تھا۔

دبے قدموں وہ لاؤنج میں آئی تھی، آگے بڑھتے ہوئے اس نے ایک نظر شاہ زیب کے کمرے کی جانب دیکھا تھا، دروازہ چوپٹ کھلا تھا، نائٹ بلب کی نیلگوں روشنی میں بیڈ پر اسے شاہ میر سویا ہوا نظر آیا تھا، شاہ میر کے ساتھ جب وہ گھر واپس آئی تو ان دونوں کے انتظار میں شاہ زیب لاؤنج میں تھا، طروب کو یاد تھا کہ سونے سے پہلے اس کو میڈیسنز لینی ہیں۔

''میں اپنا خیال خود رکھ سکتا ہوں، تم میرے لئے مزید پریشان مت ہو۔'' طروب نے اس سے پوچھا تھا کہ میڈیسنز وہ ابھی لے گا یا کچھ دیر بعد جواباً شاہ زیب کے سرد مہری سے کہنے پر وہ حیرت سے اسے دیکھتی رہ گئی تھی جبکہ وہ فلور کشن

پر سر رکھے کمبل لیتا یقیناً وہیں سونے کا ارادہ رکھتا تھا اسی دوران شاہ میر چینج کر کے باہر آیا تھا۔

''زیب! تم یہاں سو رہے ہو کیوں؟''

''کیا فضول سوال کر رہے ہو، میں کمرے میں سوؤں یا یہاں، قیامت آجائے گی کیا؟'' اس کے جھلائے انداز پر شاہ میر بھی ایک پل کو حیران ہوا تھا۔

''چندا! میری بلا سے تم باتھ ٹب میں جا کر سو جاؤ، مجھے تو بہت دن بعد خالی بیڈ مل رہا ہے، میں چلا سونے، گڈ نائٹ ملکہ طروب! زندگی رہی تو آپ کے ہاتھوں سے بنا ناشتہ کریں گے، دوپہر کے ایک یا دو بجے تک کیونکہ کل چھٹی کا دن ہے۔'' شاہ میر بولتا ہوا وہاں سے چلا گیا تھا۔

''دو منٹ تو لگیں گے ٹیبلٹس کھانے میں، پھر سو جاتے۔'' جھجکتے ہوئے طروب نے ایک آخری کوشش کی تھی مگر نہ شاہ زیب نے آنکھوں سے ہاتھ ہٹایا تھا نہ ہی کوئی جواب دیا، ناچار لاؤنج کی لائٹس آف کر کے وہ اپنے کمرے کی طرف آگئی تھی، اس کا کمرہ تو سیٹ ہو چکا تھا مگر سوئچ بٹن کام نہیں کر رہے تھے، آج جب وہ کھانا اور سوپ تیار کر رہی تھی تو شاہ میر نے گھر آکر اس دوران پہلا کام یہی کیا تھا کہ بٹن چینج کر دیئے تھے، الگ تھلگ اس کمرے میں اس کی پہلی رات تھی، پرائیویسی سے زیادہ اسے یہاں بہت تنہائی اور وحشت سی محسوس ہو رہی تھی، سارا دھیان اس کا شاہ زیب کی طرف بھی تھا، آج اسے یہ محسوس کر کے بہت اچھا لگا تھا کہ اس کے اور شاہ زیب کے درمیان فاصلے بہت حد تک کم ہو گئے ہیں، صرف اسے ہی نہیں کہیں نہ کہیں شاہ زیب کے لئے بھی اس کا قریب ہونا اہم تھا لیکن پھر شاہ زیب کے سرد انداز نے اسے ساری خوش فہمی سے دور کر دیا تھا، اسے اندازہ تھا کہ وہ لاپروائی کا مظاہرہ کر گئی تھی، اسے شاہ میر کی موجودگی میں دوپٹے سے بے نیاز نہیں رہنا چاہیے تھا، لیکن اسے یہ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ رات میں شاہ میر کی ضد پر باہر جانے پر وہ برہم کیوں نظر آرہا تھا، اس نے سوچا تھا کہ شاید یہ اس کا وہم ہو، اب تک وہ باہر شاہ میر کے ہمراہ ہی جاتی رہی تھی، یہ کوئی پہلی بار تو نہیں تھا، نہ ہی شاہ زیب انجان تھا، بڑھتی وحشت اور کمرے کی تنہائی سے گھبرا کر وہ اب لاؤنج کی طرف آگئی تھی، کچھ دیر تک وہ صوفے کی پشت پر ہاتھ رکھے تذبذب میں مبتلا کھڑی رہی تھی، اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ سویا ہوا نہیں ہے، بغیر کوئی آہٹ کیے وہ کچھ فاصلے پر بیٹھ گئی تھی اور کچھ جھجکتے ہوئے شاہ زیب کے شانے کو چھوا تھا جو دوسری سمت کروٹ لئے ہوئے تھا مگر طروب کے چھوتے ہی وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوتا فوراً اٹھ بیٹھا تھا، جبکہ اس کی حیران سوالیہ نظروں پر طروب بری طرح شرمندہ ہوتی سمٹ سی گئی تھی۔

''کیا ہوا؟ تم یہاں کیوں بیٹھی ہو؟'' مدھم زرد روشنی میں شاہ زیب نے بغور اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔

''وہاں کمرے میں بہت عجیب سا لگ رہا ہے، اسی لئے۔'' سر جھکاتے ہوئے وہ بات ادھوری چھوڑ گئی تھی، گہری سانس لے کر شاہ زیب نے اسے دیکھا تھا جو اپنی سسکیاں روکنے کی کوشش کرتی بار بار نہ رکنے والے آنسو صاف کر رہی تھی۔

''امی کی یاد آرہی ہے؟'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد شاہ زیب نے پوچھا تھا، جواباً آنسو روکنے کی کوشش کرتی وہ بس اثبات میں سر ہلا سکی تھی۔

''مجھے بھی۔'' اس کے مدھم لہجے پر طروب

نے سر اٹھا کر ڈبڈبائی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''گھر بہت یاد آرہا ہے، میرا یہاں دل نہیں لگ رہا، مجھے واپس گھر چھوڑ آئیں، میں رہ لوں گی وہاں۔'' بہتے آنسوؤں کے ساتھ کانپتے لہجے میں بولی تھی۔

''ہمیں یہاں چھوڑ کر چلی جاؤ گی؟'' شاہ زیب کے سوال پر وہ اسے دیکھتی رہ گئی تھی، اس کے رخساروں پر بہتے آنسو دھیرے سے صاف کرتے ہوئے شاہ زیب نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا، طروب کا دل چاہا تھا کہ اس سے لپٹ کر دھاڑیں مار مار کر روئے، اتنا روئے کے دل کا سارا درد سارا غبار نکل جائے، یہ پہلا موقع تھا کہ جس میں اس کا درد بانٹ کر وہ اسے احساس دلا رہا تھا کہ وہ بے سائبان نہیں رہ گئی ہے۔

''جانتی ہو، تمہارے اچانک غائب ہونے پر مجھے لگ رہا تھا کہ جیسے جو کچھ باقی ہے وہ بھی ختم ہو جائے گا، میں بالکل تہی دست رہ جاؤں گا اگر تم مجھے نہ ملیں۔'' ساکت نظروں سے وہ اسے دیکھ رہی تھی جو ایک پل کو رکا تھا۔

''تم نے مجھ سے کئی گناہ زیادہ وقت امی اور ابو کے ساتھ گزارا ہے، میں تو پرندے کا وہ بچہ تھا کہ جس نے پر نکلتے ہی وہ اڑان بھری کے پھر پلٹ کر اس گھونسلے کی جانب نہیں دیکھا جو اس کی بنیاد تھا، تم میرے ماں باپ کا سایا بن کر رہیں، اب بھی تم ان کی پرچھائیں ہو، جو فرض جو حق مجھ پر تھے ان کے، وہ سب تم پورے کرتی رہیں، میرے لئے تم میری اپنی ذات سے بھی بڑھ کر اہم ہو طروب، مجھے اب احساس ہو رہا ہے کہ تمہارے ساتھ سختی کر کے میں نے امی کی روح کو بھی بے سکون کیا ہے، اسی لئے تو وہ ایک بار بھی میرے خواب میں نہیں آئیں، نہ ہی ابو، ان دونوں کی زندگی میں بھی میں ان کی امیدوں پر پورا نہ اتر سکا اور اب تمہیں تکلیف پہنچا کر ان کی روح کو بھی تڑپا دیا ہوگا، لیکن تم تو جانتی ہو کہ میرا مقصد صرف تمہاری بھلائی تھا، میں بھی کہاں اس حق میں تھا کہ میرے گھر کی عزت گھر سے باہر رہے، ہاسٹل کتنا ہی محفوظ کیوں نہ ہو مگر وہ گھر کا نعم البدل تو نہیں۔''

''میں سب سمجھتی ہوں، میری نظر میں اس جگہ سے زیادہ محفوظ جگہ اور کوئی نہیں جہاں آپ موجود ہوں، میں امی ابو کی پرچھائیں ہوں تو آپ ان کے وجود کا حصہ ہیں، تو پھر آپ اور میں کیسے الگ الگ ہو سکتے ہیں، دنیا اس تعلق کو کس نظر سے دیکھتی ہے مجھے اس کی فکر نہیں ہے، مجھے بس آپ کی پرواہ ہے۔'' نظر جھکائے وہ بھیگے لہجے میں بول رہی تھی۔

''آپ یہ مت سوچیں کہ آپ نے امی ابو کی امیدوں کو پورا نہیں کیا، ان دونوں کو تو آپ پر بہت فخر تھا، وہ آپ کو کامیاب دیکھنا چاہتے تھے، آپ نے ان کے اس خواب کو پورا کیا، دور رہ کر بھی آپ نے ان سے اپنا تعلق بہت مضبوط رکھا، میرا یقین کریں، وہ دونوں آپ سے بہت خوش اور مطمئن ہو کر اس دنیا سے رخصت ہوئے ہیں، یہ بات مجھ سے زیادہ بہتر کون جان سکتا ہے۔''

''تم سچ کہہ رہی ہو؟'' شاہ زیب کے مدھم لہجے پر اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

''یہ بالکل سچ ہے۔'' طروب کے جواب نے ایک عجیب سی پرسکون ٹھنڈک اس کے سینے میں بکھیر دی تھی۔

''میں کوشش کروں گا کہ جلد ہی تمہارے ساتھ گھر جاؤں تھوڑا سا انتظار کر لو۔'' شاہ زیب کے کہنے پر اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

''آپ اب مجھ سے ناراض تو نہیں ہیں؟''

طروب کے سوال پر شاہ زیب نے اسے دیکھا تھا، خوابناک سی زرد روشنی میں اس کے چہرے پر بکھری معصومیت اور خود پر جمی بھنورا سی آنکھوں نے دل کی کیفیت عجیب کی تھی، فوراً ہی وہ اس کے چہرے سے نظر ہٹا گیا تھا۔

''شاہ بس یہ کوشش کرتے ہیں کہ میں یہاں خوش رہوں، رات کے وقت باہر نکلنا مجھے بھی ٹھیک نہیں لگا تھا لیکن انہوں نے میری ایک نہیں سنی۔'' نظر جھکائے وہ نادم سے لہجے میں بولی تھی۔

''وہ ایسا ہی ہے، خود بھی خوش رہتا ہے اور سب کو خوش رکھتا ہے، کسی کو پریشان اداس نہیں دیکھ سکتا، میں ناراض نہیں کسی بات کو لے کر، تم سمجھدار ہو میں تم سے یہی امید رکھتا ہوں کہ تم محتاط اور کچھ ریزرو رہو تو اچھا ہے۔'' شاہ زیب کا لہجہ سنجیدہ تھا مگر اس میں پچھی تاکید طروب تک پہنچ گئی تھی۔

''کافی وقت ہو گیا ہے، تمہیں اب جا کر سونا چاہیے، مجھے تو ابھی نیند آنا مشکل ہے۔''

''میں بھی یہیں سو جاؤں، کمرے میں مجھے نیند نہیں آئے گی۔'' اس نے اجازت طلب نظروں سے شاہ زیب کو دیکھا تھا۔

''ٹھیک ہے، لیکن صرف آج ہی، کمرے میں رہو گی تو اس سے انسیت ہو گی۔'' وہ بولا تھا۔

''میں آپ کے لئے نیم گرم دودھ اور ٹیبلٹس لے آتی ہوں، اس کے بعد آپ کو یقیناً نیند آ جائے گی۔''

''ایسا ہے تو پھر لے آؤ۔'' شاہ زیب کے کہنے پر وہ ہلکا سا مسکرا کر فوراً اپنی جگہ سے اٹھی تھی۔

صوفے پر کشن ٹھیک کر کے اس پر سر رکھتے ہوئے طروب نے اسے دیکھا تھا جو صوفے سے ذرا اور دور ہوتا دراز ہو رہا تھا، آنکھیں بند کیے وہ جیسے خواب کی سی کیفیت میں تھی۔

ایک وہ زمانہ بھی گزرا تھا جب آنکھیں دید کے لئے ترستی رہتی ہیں اور آج یہ عالم تھا کہ وہ ساری رات بھی اسے دیکھتی رہتی تو وہ چہرہ اور جھل ہونے والا نہیں تھا، ایک ہاتھ سر کے نیچے اور دوسرا سینے پر رکھے وہ بھی سونے کی کوشش میں تھا، شاید طروب ایک ٹک اسے دیکھے گئی تھی، پتہ نہیں وہ واقعی اتنا شاندار تھا یا پھر اسے ہی ہر انداز میں شاندار لگتا تھا، اس وقت بھی وہ اسے کسی ماہر سنگ تراش کے ہاتھوں سے بنا سنگ مرمر کا شاہکار دکھائی دے رہا تھا۔

''سو جاؤ طروب۔'' بند آنکھوں سے بنا اس کی جانب رخ کیے وہ بولتا اس کی روح کھینچ گیا تھا، دل دھک سے رہ گیا تھا، چہرہ دوپٹے میں چھپا کر اس نے اپنی دھڑکنوں کے سنبھلنے کا انتظار کیا تھا، دھڑکنیں جانے کب سنبھلیں البتہ نیند ضرور غالب آ گئی تھی۔

☆☆☆

دن کبھی بہت بوجھل اور کبھی بہت ہلکے انداز میں گزرتے جا رہے تھے، بس ایک اندیشہ انجانا سا تھا جو ہمہ وقت دل میں موجود رہتا تھا، شاید اس اندیشے کو شہرینہ سے منسوب کرنا مناسب تھا، شاہ میر کی تسلی اور یقین دہانیوں کے باوجود وہ مطمئن نہیں تھی، اسے لگتا تھا کہ شہرینہ سے تعلق کے پانچ سال کا مقابلہ اس کے یہ چند دن کیسے گزر سکیں گے، شہرینہ کے پاس زیر کرنے کے لئے سب کچھ تھا، حسن و نزاکت کے تمام لوازمات رکھتی تھی وہ جبکہ اپنے بارے میں اسے یہ پتا تھا کہ وہ تو کوئی ایسا منفرد انداز بھی نہیں رکھتی تھی کہ جس سے متاثر ہو کر شاہ زیب اس کے لئے اپنی سوچ اور جذبات کو بدل سکتا، بہرحال وہ

اپنے دل میں چھپے جذبات سے مایوس اور ناامید نہیں تھی، اس کی اب یہی کوشش تھی کہ اس کی ذات سے شاہ زیب کو کوئی شکایت نہ ہو، شاہ زیب نے جو محتاط رہنے کی تاکید کی تھی وہ اس نے ذہن نشین کر لی تھی، بلا ضرورت وہ پہلے بھی شاہ میر کے ہمراہ باہر نہیں گئی تھی، بعد میں بھی جب بھی اسے آئسکریم یا واک کے لئے باہر لے جانا چاہا تو اس نے شاہ زیب کی ناراضی سے ڈر سے کوئی نہ کوئی بہانہ بنا دیا ورنہ سچ تو یہ تھا کہ باہر کی کھلی فضا میں نکلنا چاہتی تھی، شاہ میر بھی یہ دیکھتا تھا کہ وہ سارا دن گھر میں تنہا گزار دیتی ہے، شاہ میر اور شاہ زیب اکثر اکیڈمی سے واپس آنے کے بعد بھی باہر چلے جاتے تھے اور وہ پھر ان دونوں کی واپسی کے انتظار میں تنہا رہ جاتی، شاہ میر کی کوشش ہوتی تھی کہ اسے وقت دے یا اسے باہر لے جائے مگر جب وہ خود باہر جانے میں سستی دکھاتی تو شاہ میر ناراض ضرور ہوتا مگر فورس نہیں کرتا تھا، ایسے میں اسے شاہ زیب پر بہت غصہ آتا تھا، اتنا تو اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ شاہ زیب کو اس کا شاہ میر کے ساتھ باہر آنا جانا پسند نہیں تھا، اس کی ناراضی اور ناگواری کا اندازہ طروب کو اس کی آنکھوں سے ہو جاتا تھا اور اس کے تاثرات سے بھی، جبکہ طروب کے لئے ناقابل برداشت تھی اس کی ذرا سی بھی ناراضی۔

اس وقت وہ ٹیرس کی بالکونی پر ہاتھ ٹکائے گارڈن ایریا کی معدوم ہوتی رونق کو دیکھتی جانے کس سوچ میں گم تھی کہ شاہ میر کی آمد ہو گئی تھی۔

''یہاں کیوں آ گئیں خیریت؟''

''بس یونہی، مجھے نیوز چینلز اور نیوز پر تبصروں میں کوئی دلچسپی نہیں آپ دونوں حضرات کی طرح۔'' طروب کے جواب پر وہ دھیرے سے ہنستا بالکونی پر کہنیاں ٹکائے نیچے کا جائزہ لینے لگا تھا۔

''تم یہاں ایڈجسٹ نہیں کر پا رہی ہو؟'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد شاہ میر نے پوچھا تھا۔

''پتہ نہیں، کوشش تو کر رہی ہوں۔'' وہ بولی تھی۔

''تم اپنی اسٹڈیز کا سلسلہ پھر سے اسٹارٹ کر دو، مصروفیات بڑھیں گی تو اچھا اثر پڑے گا۔''

''سوچوں گی اس بارے میں۔'' وہ بے دلی سے بولی تھی۔

''نالائق لڑکی۔'' شاہ میر کی خشمگیں نظروں پر وہ ہنسی تھی، تب ہی اس کی نظر ٹیرس کے دروازے کی سمت گئی تھی جبکہ اس کے ہنستے چہرے سے نگاہ ہٹا تا شاہ زیب جتنی خاموشی سے وہاں آیا تھا، اسی خاموشی سے واپس چلا بھی گیا تھا، شاہ میر کی پشت دروازے کی سمت تھی اس لئے وہ اسے نہیں دیکھ سکا تھا، طروب کو بہت عجیب لگا تھا یہ، اسی لئے وہ شاہ میر کی بات بھی دھیان سے نہ سن سکی تھی۔

''ایک بات سچ سچ بتائیں، کیا واقعی آکا جان نے کبھی شہرینہ سے کوئی رابطہ نہیں رکھا ہے؟'' اس کے اچانک سوال نے شاہ میر کو حیران کیا تھا۔

''میں بات کیا کر رہا ہوں اور تم درمیان میں کس قصے کا ذکر لے آئیں۔''

''آپ میری بات کا جواب دیں۔'' وہ زچ ہوئی تھی۔

''وہ کیوں کوئی رابطہ کرے گا، نہ میں ہی اسے ایسا کرنے دوں گا، لیکن اس سے فرق نہیں پڑتا ہے، شہرینہ آسانی سے اس کی جان چھوڑ نے والی نہیں، کیونکہ ابھی بھی اسے شاہ زیب سے

بہت کچھ مل سکتا ہے۔'' شاہ میر کے طنزیہ لہجے پر وہ خاموش رہی تھی۔

بیک کراؤن سے پشت ٹکائے وہ لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ تھا، بس ایک نگاہ اٹھا کر اس نے شاہ میر کو دیکھا تھا، جو کچھ تیز نظروں سے اسے دیکھتا بیڈ پر نیم دراز ہوا تھا۔

''کیا ہوا ایسی خطرناک نظروں سے کیوں دیکھ رہے ہو؟''

''مجھے کافی دن سے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ تم نے طروب کو میرے ساتھ باہر کہیں جانے سے منع کیا ہے۔'' شاہ میر کا لہجہ کھوجتا ہوا تھا۔

''یہ تمہارے دماغ کا خبط ہے، میں ایسا کیوں کروں گا، طروب نے ایسا کچھ کہا تم سے؟'' شاہ زیب ناگواری سے بولا تھا۔

''نہیں اگر ایسا نہیں ہے تو وہ کیوں تمہارے بارے میں ایسی بات کہے گی، مجھے ایسا محسوس ہوا تو تم سے پوچھ لیا۔'' شاہ میر نے کہا تھا۔

''پہلی بات تو یہ کہ تمہیں ایسا لگنا ہی نہیں چاہیے، دوسری بات یہ کہ تم کوئی غیر نہیں ہو جو میں بے سروپا پابندیاں طروب پر لگاؤں گا۔'' ناگوار لہجے میں بول کر وہ دوبارہ اپنے لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

''پھر شاید طروب کو میرے ساتھ باہر جانے میں کچھ پرابلم ہو، سارا دن وہ گھر کے اندر گزارتی ہے، تم ہی کبھی اسے اپنے ساتھ باہر لے جایا کرو۔''

''تم اس کی فکر نہ کرو، اسے باہر جانا ہوتا ہے تو وہ تم سے ہی کہتی ہے، ہر بات تم سے شیئر کرتی ہے، تم سے کیا پرابلم ہو سکتی ہے اسے۔''

شاہ میر کی جانب دیکھے بغیر وہ بولا تھا، البتہ اس کی پیشانی پر ناگواری کے بل شاہ میر سے چھپے نہیں رہ سکے تھے، مسکراہٹ چھپاتے ہوئے اس نے ہاتھوں کا تکیہ بنا کر ایک بار پھر شاہ زیب کو دیکھا تھا۔

''تمہیں لگتا ہے کہ تم طروب کو میرے لئے راضی کر لو گے؟'' شاہ میر کے سوال پر وہ دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

''تم خود جا کر راضی کر لو اسے، کیا مشکل ہے۔'' شاہ زیب کے بگڑے سے انداز پر وہ اپنی ہنسی نہیں روک سکا تھا۔

''مجھے ابھی بہت کچھ کرنا ہے زندگی میں، کیوں ابھی مروانے پر تلے ہو، محترمہ کی شخصیت ہی نہیں عادتیں بھی تم سے کافی ملتی جلتی ہیں، تم نے اسے میرے لئے چنا ہے تو راضی کرنے کی ذمہ داری بھی تمہاری۔'' شاہ میر کے غیر سنجیدہ انداز پر وہ بس اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

☆☆☆

فریج سے پانی کی بوتل نکالتے ہوئے وہ ایک پل کے لئے کچن میں داخل ہوتی طروب کی طرف متوجہ ہوا تھا، شانے پر دوپٹہ درست کرتی وہ کچھ تذبذب میں دکھائی دے رہی تھی۔

''تم ابھی تک جاگ رہی ہو؟'' باٹل سے پانی گلاس میں نکالتے ہوئے وہ سرسری لہجے میں بولا تھا۔

''آپ مجھ سے کس بات پر ناراض ہیں؟'' وہ بمشکل پوچھ سکی تھی۔

''تمہیں ایسا کیوں لگا؟'' پانی کا ایک گھونٹ بھر کر اس نے سنجیدہ نظروں سے طروب کو دیکھا تھا جبکہ طروب کو بہت مشکل لگا تھا وضاحت کرنا۔

''آپ مجھ سے بات جو نہیں کرتے تو.....'' اٹکتے لہجے میں وہ بات مکمل نہیں کر سکی تھی نہ ہی اس کی جانب دیکھ سکی تھی۔

''کمال ہے، شاہ سے اتنی باتیں کرنے کے

بعد اور کون سی باتیں رہ جاتی ہیں جو تمہیں مجھ سے کرنی ہیں۔'' کچھ تھا اس کے لہجے میں کہ طروب گنگ نظروں سے اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

''بہرحال اگر تمہیں کچھ کہنا ہے مجھ سے تو ضرور کہو۔'' اپنے چبھتے لفظوں کا احساس ہوتے ہی وہ کچھ نرم لہجے میں بولا تھا مگر اس وقت وہ نادم سا ہوا تھا جب طروب کچھ بھی کہے بغیر پلٹتی تیزی سے کچن سے نکل گئی تھی۔

طروب کا خاموش ردعمل ناراضی کی صورت میں صبح سامنے آ گیا تھا، ناشتے کے لوازمات ٹیبل پر چنے ہوئے تھے جب وہ کچن میں داخل ہوا تھا۔

''آج موسم کچھ ناسازگار ہے۔'' شاہ زیب کو معنی خیز لہجے میں مخاطب کرتے شاہ میر کا اشارہ طروب کی طرف ہی تھا جبکہ شاہ زیب تو پہلے ہی بھانپ چکا تھا طروب کے بہت سنجیدہ تاثرات اور خاموشی کو ایک بار بھی اس نے نگاہ اٹھا کر شاہ زیب کو نہیں دیکھا تھا۔

''موسم کی فطرت ہے بدلنا، سازگار بھی ہو جائے گا۔'' ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے طروب کو دیکھا تھا، جس نے اور نج جوس گلاس میں بھر کر شاہ میر کے سامنے رکھا تھا اور پھر جگ وہیں ٹیبل پر رکھ کر کاؤنٹر کی سمت چلی گئی تھی۔

''ملکہ طروب نے آج میری فرمائش پر تازہ تازہ جوس میرے لئے تیار کیا، تم کڑوی کسیلی چائے پر ہی اکتفا کرو۔'' اسے جتاتے ہوئے شاہ میر مضحکہ اڑانے والے انداز میں ہنسا تھا۔

''ہنس لے بیٹا، ہنس لے، تیرا ہنسنا بنتا ہے۔'' شاہ زیب کے خشمگیں لہجے پر وہ مزید اسے جلانے کے لئے ہنسا تھا، چائے کا مگ تھامے طروب ناچاہتے ہوئے بھی ٹیبل کے گرد آ بیٹھی تھی۔

''تم ناشتہ نہیں کر رہی ہو؟'' شاہ میر نے پوچھا تھا۔

''نہیں، دل نہیں چاہ رہا۔'' وہ مختصر اُبولی تھی جبکہ شاہ میر نے چونک کر شاہ زیب کو دیکھا تھا جو اس کے جوس کا گلاس اٹھا کر نوش کرنے لگا تھا۔

''تمہارے سر پر سینگ نہیں مگر ہو تم مکمل بارہ سنگھا۔'' شاہ میر نے خشمگیں نظروں سے اسے گھورا تھا جو جوس کا گلاس خالی کر کے ڈھٹائی سے مسکرایا تھا۔

''طروب! تمہیں برا تو نہیں لگا میں نے تمہارے جان سے پیارے آکا جان کو بارہ سنگھا کہا؟'' شاہ میر نے جان بوجھ کر اسے مخاطب کیا تھا۔

''آپ کہہ رہے ہیں تو ٹھیک ہی کہا ہو گا۔'' وہ سنجیدگی سے ہی بولتی اپنی چائے کی طرف متوجہ رہی تھی۔

''صبح صبح بے عزتی۔'' شاہ زیب گہری سانس لے کر بولا تھا تب ہی شاہ میر عجلت میں اپنی جگہ سے اٹھا تھا کہ باہر سے اسے اپنے فون کی چیخنے کی آواز آئی تھی۔

''ہماری ایسی قسمت کہاں کہ کوئی ہمیں جان سے پیارا رکھے۔'' شاہ زیب کے ٹھنڈی آہ بھرنے پر طروب نے بے اختیار نظر اٹھائی مگر اگلے ہی پل اس کی مسکراتی نظروں سے نگاہ چراتے ہوئے دل کی دھڑکن بے ترتیب ہوئی تھی۔

''اپنا ناشتہ بارہ سنگھا کے ساتھ شیئر کرنا میں بذات خود.....'' اپنی پلیٹ طروب کے سامنے کرتا وہ مسکراتے لہجے میں بولا تھا جبکہ اس بار بے ساختہ مسکراتے ہوئے طروب نے اس کی پلیٹ میں سے ایک سینڈوچ اٹھا لیا تھا۔

(باقی اگلے ماہ)

مکمل ناول

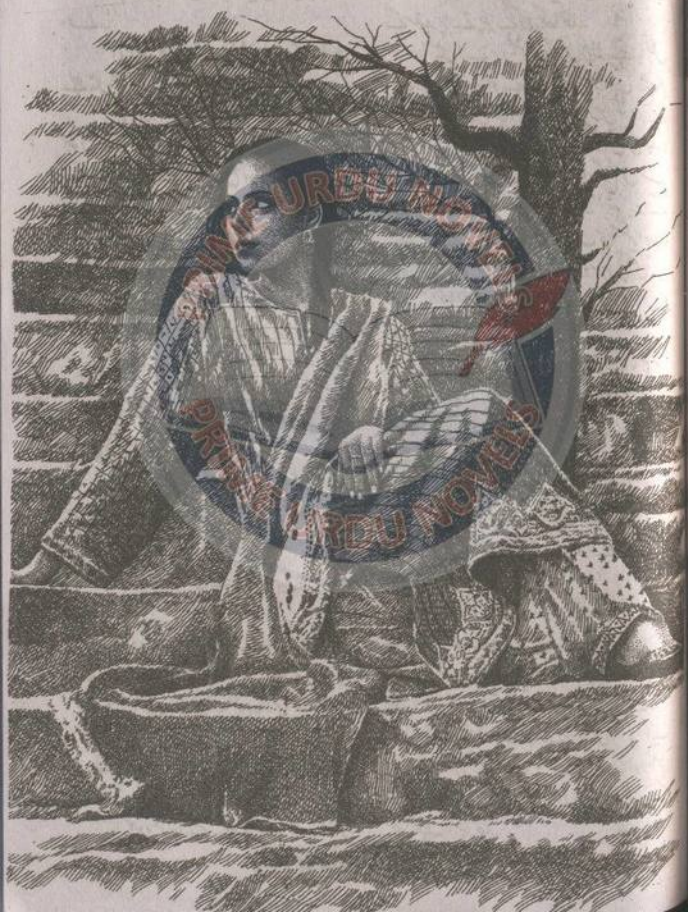

یار میں

نائلہ طارق

چھٹی کا دن ہونے کے باوجود شاہ میر جلدی بیدار ہو گیا تھا، کیونکہ اکیڈمی کی لیب میں کچھ کام مکمل کروانے تھے سو شاہ زیب جب تک بیدار ہوا وہ جانے کے لئے بالکل تیار تھا۔

پارکنگ کی جانب رخ موڑتے ہی جو اس نے سامنے سے آتی شہرینہ کو دیکھا تو بغیر رکے واپس پلٹ آیا تھا۔

شہرینہ کے پہنچنے تک وہ لفٹ کے سامنے ہی محو انتظار تھا، کھلتی لفٹ میں سے دو افراد نکلے تھے، شاہ میر سے پہلے آگے جانے کی عجلت میں شہرینہ نے کہنی سے اسے پیچھے دھکیلنے سے دریغ نہیں کیا تھا، جبکہ اس کی اس حرکت پر شاہ میر شدید پیچ و تاب کھاتا خونخوار نظروں سے اسے گھور کر رہ گیا تھا جو اطمینان سے لفٹ میں نسب آئینے میں اپنے تراشیدہ بالوں کو درست کر رہی تھی۔

لفٹ کے کھلنے تک وہ بالکل چوکنا تھا، جیسے ہی لفٹ کھلی وہ اس سرعت سے باہر نکلا کہ اس سے ٹکراتی شہرینہ لفٹ کے اندر ہی لڑکھڑاتی اسے کچا چبا جانے والی نظروں سے گھور کر رہ گئی تھی۔

گیٹ کھولتے شاہ زیب کو ضرورت ہی نہیں پڑی تھی، شاہ میر کے واپس آ جانے کی وجہ پوچھنے کی، تنے ہوئے تاثرات چہرے پر سجائے شہرینہ نے اپنے سامنے آتی طروب کو دیکھا تھا۔

"تو یہ اب تک یہیں موجود ہے۔" تیز نظروں سے شاہ زیب کو دیکھتی وہ سرد لہجے میں بولی تھی اور پھر تیز قدموں سے لاؤنج کی سمت بڑھ گئی تھی۔

اس کے پیچھے جانے سے پہلے شاہ زیب نے ایک نظر پہلے طروب کے سنجیدہ چہرے کو اور پھر شاہ میر کو دیکھا تھا۔

"میں تم سے تنہائی میں بات کرنا چاہتی ہوں۔" لاؤنج میں ہی شاہ میر اور طروب کی



موجودگی نے شہرینہ کو ناگواری میں مبتلا کیا تھا۔

"جو بات ہو گی، اس گھر کے ہر فرد کے سامنے ہو گی ورنہ تم شاہ زیب سے بھی کوئی بات نہیں کر سکو گی۔" شاہ میر بگڑے لہجے میں بولا تھا۔

"تم ہوتے کون ہو درمیان میں بولنے والے۔"

"اس گھر کا ایک فرد۔" شاہ میر کے کرخت لہجے میں شہرینہ کی غصیلی آواز دب گئی تھی۔

"شہرینہ! تمہیں جو بات کرنی ہے وہ کرو، بھول جاؤ کہ یہاں کوئی تیسرا فرد بھی موجود ہے ورنہ بحث میں وقت ہی ضائع ہو گا۔" شاہ زیب محل سے درمیان میں بولا تھا۔

"ہاں، تم اس شخص کی مرضی کے خلاف کیسے جا سکتے ہو، اس گھر میں تو وہی ہوتا ہے جو یہ چاہتا ہے۔" شاہ زیب پر بھڑکتے ہوئے اس نے پھاڑ کھانے والی نظروں سے شاہ میر کو دیکھا تھا۔

"تم پہلے بیٹھ جاؤ۔"

"میں یہاں بیٹھنے نہیں دو ٹوک بات کرنے آئی ہوں۔" اس نے غراتے ہوئے شاہ زیب کی بات کاٹی تھی۔

"کمال ہے، اب بھی کسی بات کی کسر رہ گئی ہے۔" شاہ میر کے طنزیہ لہجے اور استہزائیہ مسکراہٹ نے شہرینہ کو سلگا دیا تھا۔

"شاہ زیب! اس سے کہو کہ یہ اپنا منہ بند رکھے ورنہ۔"

"شاہ، اب درمیان میں مت بولنا، اسے بات کرنے دو۔" سنجیدہ لہجے میں شاہ میر کو تاکید کرتا وہ مکمل شہرینہ کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"مجھے اب یہاں کسی کے موجود ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" وہ نخوت سے بولی تھی۔

"دیکھو، تم چاہتے تھے کہ اب میں شادی کے بارے میں کوئی فیصلہ کر لوں، تو ٹھیک ہے، میں شادی کے لئے راضی ہوں، جب تم کہو، جب تم چاہو۔" شہرینہ کے قطعی انداز پر شاہ زیب کے تاثرات سپاٹ ہی تھے مگر شاہ میر کے لئے یہ ایک جھٹکا تھا، دنگ ہو کر بے اختیار اس نے طرد کے سفید پڑتے چہرے کو دیکھا تھا۔

"میں اپنے پروفیشن اور اس فیلڈ سے بالکل الگ اور دستبردار ہونے کے لئے تیار ہوں جسے تم نے کبھی پسند نہیں کیا، میں اس گھر میں تمہارے ساتھ ویسی ہی ایک گھریلو زندگی گزاروں گی جیسا کہ تم مجھ سے توقع رکھتے رہے ہو، مگر اس سب سے پہلے میری بھی ایک شرط ہے۔" شہرینہ کے معنی خیز لہجے پر ایک عجیب مگر خفیف سی مسکراہٹ شاہ زیب کے چہرے پر لہرا کر معدوم ہوئی تھی۔

"کیا شرط ہے تمہاری؟" وہ بولا تو اس کا لہجہ بہت پرسکون تھا۔

"تم اپنے ماں باپ کا گھر میرے نام کرو گے پہلے اور ڈائمنڈ جیولری سمیت وہ تمام جیولری جو تمہاری ماں کی ملکیت رہی تھیں، ان پر میرا حق ہو گا۔"

"اور کچھ؟" شاہ زیب نے پوچھا تھا۔

"فی الحال تو یہی۔" ایک نخوت بھری نگاہ شہرینہ نے شاہ میر پر ڈالی تھی جو اسے نکلنے کے لئے تیار نظر آ رہا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ تمہیں پہلے شرط پر غور کرنا چاہیے، تم مجھ سے وہ چیزیں مانگ رہی ہو جن پر میرا حق نہیں ہے، میں تو صرف وہی کچھ دے سکتا ہوں جو میرے پاس ہے، جس پر میرا حق ہے۔"

"ہے کیا کچھ تمہارے پاس؟ یہ ایک اپارٹمنٹ اور کچھ بینک بیلنس، یہ سب اور اس سے زیادہ میرے پاس موجود ہے۔" شہرینہ کا لہجہ تضحیک آمیز تھا۔

"اگر یہ سب اور اس سے بھی زیادہ تمہارے پاس موجود ہے تو صرف شاہ زیب کی بدولت ہے، جس گھر میں تم اپنی ماں کے ساتھ رہ رہی ہو، جس گاڑی میں تم گھومتی ہو، جو پیسہ تم اڑاتی رہی ہو اپنے شاہانہ طرز زندگی پر یہ سب شاہ زیب کا دیا ہوا ہے، ایک نام نہاد تعلق کا بہانہ بنا کر تم اس سے تاوان لیتی رہو ہو اور آج اس تعلق کا سودا کرنے آئی ہو اس انسان سے جس کے سہارے کے بغیر تم ایک قدم نہیں چل سکتی تھیں۔" غصیلے انداز میں شاہ میر بولتا چلا گیا تھا۔

"صرف تم پر نہیں تمہارے، بہن بھائیوں کو بھی شاہ زیب نے سپورٹ کیا، اپنی محنت کا پیشہ اگر وہ بے دریغ تم پر اور تمہارے خاندان پر نہ لٹاتا تو آج تم اس کے سامنے سر نہیں اٹھا سکتی تھیں، سر تو اب بھی نہیں اٹھانا چاہیے مگر احسان فراموشی تو تمہیں شاید ورثے میں ملی ہے۔"

"تم اپنا منہ بند رکھو مجھے، اگر اس نے مجھ پر احسان کیے ہیں تو بے وجہ نہیں، قیمت وصول بھی کی ہے۔" شہرینہ کے بھرپور لہجے نے پہلی بار شاہ زیب کے تاثرات بدلے تھے۔

"تم بتانا پسند کرو گی کہ کیا قیمت وصول کی ہے میں؟ اس بات کا مطلب بھی جانتی ہو تم، بتاؤ کیا قیمت وصول کی ہے، کتنی بار تم سے تنہائی میں ملا ہوں، کتنی بار تمہیں چھونے کی بھی کوشش کی ہے؟" اس کے سرخ چہرے اور بپھرے لہجے نے ایک پل کے لئے شہرینہ کے اعتماد کو ڈانواڈول کیا تھا۔

"بات کو غلط رخ پر مت لے جاؤ، بلکا کردار میرا بھی نہیں ہے، کہا یہ کم ہے کہ میں پچھلے پانچ سال سے تم سے مخلص، صرف تم سے منسوب، تمہارے نام پر بیٹھی رہی ہوں، یہ جاننے کے باوجود کہ تمہارے ماں باپ مجھے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں، آخر وہ مجھے قبول کرتے بھی کیوں، وہ تو پروان چڑھا رہے تھے ایک بے نام ونشان بے زبان مخلوق کو تمہارے لئے جو گھر کی چاردیواری کے اندر تمہاری غلامی کرے، تمہاری جی حضوری کرتی رہے، تمہاری نسل کو آگے بڑھاتی رہے، ساری پلاننگ تو پہلے ہی کر لی گئی تھی اگر ایسا نہیں تو پھر کیا وجہ تھی کہ تمہارے ماں باپ نے اپنی آدھی جائیداد طروب کے نام کر دی، کوئی رشتہ، کوئی تعلق واقعی نہیں تھا یا پھر۔"

"شاہ زیب! اس سے کہو کہ اب اگر اس ایک لفظ بھی غلط کہا تو میں اسے زندہ واپس یہاں سے نہیں جانے دوں گا۔" شاہ میر اس کی بات کاٹ کر شدید اشتعال میں بولا تھا۔

"تم اپنی بکواس بند کرو، طفل، زندگی گزارنے والے جانور، شاہ زیب کے معاملات میں ہمیشہ دھڑلے سے تم شراکت داری کرتے آئے ہو، یہ عادت تمہارے منہ کو لگی ہے، تم اس کے معاملات اور گھر کو ہی شیئر کرنے پر اکتفا نہیں کرو گے، تم جیسا بے غیرت انسان تو اس کی بیوی کو بھی۔"

"بہت زیادہ بول چکی ہو تم، مگر اب اپنی زبان کو لگام لگا دو، ورنہ یہیں میں اخلاقیات نہ بھول جاؤں۔" شاہ زیب کی آواز بلند ہوئی تھی۔

"تمہیں کوئی حق نہیں میرے باپ اور شاہ میر پر انگلی اٹھانے کا، طفلی زندگی تم گزارتی رہی ہو، پانچ سال سے تم نہیں، میں تمہارے آسرے پر رہا ہوں، کیونکہ میں اول درجے کا احمق تھا، تمہارے انتظار میں، میں نے اپنے ماں باپ کو ان کی حسرت کے ساتھ قبر میں اتار دیا، کس منہ سے تم کہہ رہی ہو کہ تم مجھ سے مخلص تھیں، تم نے تو اسی دن مجھے چھوڑ دیا تھا جس دن تم نے گلیمر کی چکا چوند میں قدم رکھا تھا، مجھے ہی یہ جاننے میں

دیر لگی کہ تم نے میرے ساتھ صرف ایک ضرورت کا رشتہ رکھا، ایک نام، ایک سپورٹ کا رشتہ، مجھے صرف اس یقین نے باندھے رکھا جو یقین مجھے صبح نو سے شام پانچ بجے تک محنت کرنے والی، اونچے خواب دیکھنے والی لڑکی پر تھا، لیکن وہ تو گم ہو چکی تھی، دولت اور خواہشات کے بھنور میں، یہ تم بھی جانتی ہو شہرینہ کہ میری خاموشی کا بہت ناجائز فائدہ اٹھایا ہے تم نے، آج میرے باپ اور طروب کے بارے میں جو غلط الفاظ تم نے استعمال کیے ہیں اس کے لئے میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا، شرط اور سودے تجارت میں ہوتے ہیں، ان کی بنیاد پر کوئی تعلق نہ قائم ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے، تم تو پہلے ہی مجھے چھوڑ کر جا چکی تھیں مگر تمہاری زبان کا بھرم رکھنے کے لئے میں تیار ہوں تمہارے پانچ سال کی قیمت ادا کرنے کے لئے، طروب! میرے کمرے سے چیک بک اور جیولری باکس لے آؤ۔'' اس کے اچانک مخاطب کرنے پر ساکت کھڑی طروب تیزی سے وہاں سے گئی تھی۔

''شاہ زیب! پانچ سال تو تمہارے بھی برباد ہوئے ہیں، ان کا ازالہ کون کرے گا؟'' شاہ میر شدید ناگواری سے بولا تھا جس پر شہرینہ نے بس کڑے تیوروں سے اسے دیکھا ضرور مگر خاموش رہی تھی، طروب سے جیولری باکس اور چیک بک لے کر ٹیبل پر ڈال دی تھی۔

''لے جاؤ یہ اپنے ساتھ، بلینک چیک ہے، جتنی رقم چاہتی ہو لکھ دینا، اپنے آپ کو بھی بیچنا پڑا تو بھی رقم تمہیں دوں گا۔'' اس کے سرد لہجے پر شہرینہ کے چہرے کا رنگ بدلا تھا۔

''آخر تم کیوں اب بھی اس کے مطالبے پورے کرنے پر تلے ہو، جتنا کچھ تم اس پر لٹا چکے ہو وہ کافی ہے، اب اگر خیرات میں کچھ دے بھی رہے ہو تو اسے اس کی اوقات کے مطابق دو۔'' شاہ میر کے حقارت آمیز لہجے پر شہرینہ کا وجود جلتے بھانبھڑوں میں گھرا تھا۔

''تمہیں بتاؤں میری اوقات کیا ہے، بتاؤں تمہیں۔'' حلق کے بل چیختی وہ شاہ میر کے مقابل گئی تھی، اس سے پہلے کہ شاہ زیب اسے روکتا وہ پوری قوت سے تھپڑ شاہ میر کو مار چکی تھی، ساکت کھڑی طروب کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا، جبکہ شاہ زیب نے سرعت سے شاہ میر کو قابو میں کیا تھا جو شدید اشتعال میں جوابی کاروائی کرنے جا رہا تھا۔

''چھوڑ دو مجھے شاہ زیب، اس احسان فراموش، دھوکے باز، دو ٹکے کی عورت نے مجھے تھپڑ مارا ہے۔'' شاہ زیب کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کرتا وہ دھاڑ اٹھا تھا۔

''شاہ! تمہیں میری قسم ہے، تم کچھ نہیں کرو گے، ہلو گے بھی نہیں اپنی جگہ سے۔'' شاہ میر کو گرفت میں رکھے وہ بلند آواز میں بولا تھا۔

''میں جو ہوں، میں جانتی ہوں، تم اپنے گریبان میں جھانکو کہ تم خود کیا ہو، دوسروں کی چھت تلے بیٹھ کر دوسروں کے ٹکڑوں پر پلنے والے انسان، تم اور تمہاری بکواس میری جوتی کی نوک پر۔'' بھڑکتے لہجے میں وہ شاہ میر کو مزید بھڑکا گئی تھی۔

''شہرینہ! حد سے زیادہ بڑھ چکی ہو تم، تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ فوراً یہاں سے چلی جاؤ، تم جو کرنے آئی تھی وہ تم کر چکی ہو، جاؤ آزاد ہو تم۔'' شاہ زیب کے مشتعل انداز پر وہ ذرا بھی مرعوب نہ ہوئی تھی۔

''مجھے تمہارے اس دھرم شالے میں رک کر مہتاجوں کو مفت کی روٹی کھلانے کا شوق بھی نہیں ہے، آج دو ہیں کل مزید آ جائیں گے اور جو

خیرات تم مجھے دے رہے ہو، اسے تم اپنے گھر میں پلنے والے پالتو جانوروں پر خرچ کرو، سمجھے۔'' چیختے ہوئے شہرینہ نے ایک آخری خونخوار نگاہ شاہ میر کے خون رنگ چہرے پر ڈالی تھی اور جانے کے لئے قدم بڑھا دیئے تھے لیکن طروب کے پاس سے گزرتے ہوئے اس کے قدم رک گئے تھے۔

''مجھے تم سے کوئی پرخاش نہیں، میری بس ایک بات یاد رکھنا، یہ مرد کسی بھی موڑ پر اس عورت کو کبھی حقیر بنا کر اپنے قدموں میں گرا سکتے ہیں جسے یہ خود ملکہ کا تاج پہنا کر اپنے سر پہ بٹھاتے ہیں، تم تو پھر بھی میری برابری کی نہیں ہو۔''

''تمہارا یہی گھمنڈ میں نے نہیں توڑا تو شاہ میر نام نہیں میرا، عزت مجھے راس نہیں آئی، بدنام دوسروں کو کر رہی ہو، طروب جیسی بننے کے لئے مجھے سات جنم بھی کم ہیں۔'' شاہ میر غصے میں پاگل ہوتا دھاڑ رہا تھا، شاہ زیب نے اس کو گرفت میں جکڑے ہی رکھا تھا، دوسری جانب شاہ میر کی دھاڑوں کو خاطر میں لائے بغیر شہرینہ لاؤنج سے نکلتی چلی گئی تھی، سن کھڑی طروب کی نگاہیں اس پر جم کر رہ گئی تھیں۔

☆☆☆

بروقت اس نے بریک لگائے تھے کہ ایک گاڑی اوور ٹیک کرتی راستہ بلاک کر گئی تھی خوف کی ایک سرد لہر اس کے وجود میں دوڑ گئی تھی رات کے آٹھ بج رہے تھے اور اس سڑک پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔

وائیٹ کرولا سے باہر نکلتے شخص کو پہچانتے ہی اسے معاملے کی سنگینی کا احساس ہو گیا تھا مگر اس نے اپنے اعتماد کو بحال رکھا تھا۔

''کیا مسئلہ ہے؟ راستہ کیوں روکا؟'' شیشہ نیچے کرتی وہ ناگوار لہجے میں بولی تھی جواباً کچھ کہنے کے بجائے شاہ میر نے ڈرائیونگ سیٹ کا ڈور ایک جھٹکے سے کھولا تھا۔

''کیا کر رہے ہو؟ یہ کیا کر رہے ہو تم؟'' شہرینہ چیختی رہ گئی تھی مگر وہ اسے پرے دھکیلتا ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تھا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی، حواس باختہ شہرینہ نے ڈیش بورڈ پر رکھا فون اٹھانا چاہا تھا مگر وہ اس جھٹکے سے اسے پیچھے بنا گیا تھا کہ اس کا سر بری طرح ونڈو کے مرر سے ٹکرا گیا تھا۔

''چپ چاپ بیٹھی رہو ورنہ تھپڑ مار کر تمہارا جبڑہ توڑ دوں گا۔'' وہ جس طرح غرایا تھا، پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتی شہرینہ بالکل سن ہو گئی تھی، اس کے تیوروں کا اندازہ ہونے کے بعد وہ واقعی گونگی ہو گئی تھی۔

''چلتی گاڑی سے کودنے کا ارادہ کرنے سے پہلے یہ ذہن نشین کر لو کہ ٹوٹی ہڈیوں کے باوجود میں تمہیں اٹھا کر واپس گاڑی میں ڈال دوں گا، بخشوں گا نہیں، مجھے صرف اپنا حساب بے باک کرنے سے غرض ہے۔'' اس کے بھنچے لہجے پر وہ دہشت زدہ اور بے حس و حرکت تھی۔

گاڑی کن راستوں سے گزرتی کہاں تک پہنچی اسے کچھ ہوش نہیں تھا، اس کا دل دماغ آنے والے وقت کے کسی عفریت جیسے احساس میں جکڑا منجمد تھا، ہوش تب آیا جب شاہ میر نے اس کا ہاتھ جکڑ کے گاڑی سے باہر نکالا تھا، آبادی سے ہٹ کر اس جگہ پر دور دور تک تاریکی اور ہو کا عالم تھا، اپنے بے جان ہوتے قدموں پر وہ اس کی گرفت میں گھسٹتی چلی جا رہی تھی، اس عمارت کی جانب جو تاریکی میں خوفناک لگ رہی تھی، سیڑھیوں پر پھیلے اندھیرے میں اس کے قدم لڑکھڑائے تھے مگر شاہ میر کے بغیر بے دردی سے اسے کھینچتا ہوا لے جا رہا تھا۔

آہنی دروازہ کھولتا وہ ایک جھٹکے سے اندر دھکیل گیا تھا اور وہ جو پہلے ہی ہراساں اور نیم جاں تھی، سنبھل نہ سکی دوسرا یہ کہ تاریکی کے بعد تیز روروشنی میں آنکھیں چندھیا گئی تھیں، لڑکھڑاتی ہوئی وہ ادھڑی سیمنٹ والے فرش پر اوندھے منہ گری تھی، بلند کراہ کے ساتھ اس نے اپنی پیشانی پر ہاتھ رکھا تھا جو بھل بھل بہتے خون سے تر ہونے لگا تھا، بمشکل پیروں پر کھڑے ہوتے ہوئے اس کی وحشت ناک نظریں شاہ میر پر جمی تھیں، آہنی زنگ آلود دروازہ بند کرتا وہ اس کی طرف پلٹا تھا، اس کے جارحانہ تیوروں نے شہرینہ کی بولتی بند کر دی تھی۔

''جانتی ہو میں تمہیں یہاں کیوں لایا ہوں؟ تمہارے غرور کا سر توڑنے کے لئے، اس کام کے لئے کسی کو تو قدم اٹھانا ہی تھا، مجھے شاہ زیب سمجھ کر تم نے بہت بڑی غلطی کی ہے، ناگن کی طرح تم اس کو ڈستی رہی ہو مگر وہ تمہارا لحاظ کرتا رہا احمقانہ حد تک، مگر مجھے ڈس کر تم نے اپنے ہی زہر میں خود کو غرق کر لیا ہے، تم نے شاہ زیب کے نہیں میرے باپ کے لئے مغلظات بکے ہیں، گالی دی ہے، لیکن آج تمہارا اپنا وجود ایک گالی بن جائے گا، جس دولت کے بل بوتے پر تم کسی کو بھی دھمکا سکتی ہو، جس دولت کے بل بوتے پر تم کسی کو بھی ذلیل کر سکتی ہو، دیکھتا ہوں کہ وہ دولت کہاں سے تمہیں ایسا خالص زہر مہیا کر سکتی ہے جسے کھا کر تم موت کو گلے لگا سکو۔'' پھنکارتا ہوا وہ اس کی جانب بڑھا تھا۔

''میرے قریب مت آنا، ورنہ شاہ زیب کی ساری زندگی تمہاری شکل نہیں دیکھے گا۔'' وہ لرزتی آواز میں چیخی تھی۔

''شاہ زیب کا نام بھی اب زبان پر مت لانا ورنہ زبان کاٹ دوں گا۔'' شاہ میر مشتعل ہوا تھا۔

''تمہاری اوقات اتنی بھی نہیں کہ تم اس کے پیروں کی دھول کو بھی چھو سکو، جس کا نمک کھاتی رہی ہو اس پر غرانے والی احسان فراموش عورت ہو تم، جو ذلت تم نے مجھے دی اسے سود سمیت واپس لوٹانے کے لئے تمہیں یہاں لایا ہوں ورنہ تم جیسی نیچ عورت کی طرف دیکھنا بھی میں اپنی توہین سمجھتا ہوں۔''

''ہاں میری کوئی اوقات نہیں ہے، یہ سچ ہے، کب انکار کیا میں نے مگر میں ہیچ نہیں ہوں۔'' آنسوؤں اور خون سے تر ہوتے چہرے کے ساتھ وہ یکدم چیخ اٹھی تھی۔

''اگر میں ہیچ ہوں تو شاہ زیب سے شادی کر کے اس کی ہر چیز پر قابض ہو چکی ہوتی، اس کے ماں باپ جو جائیداد اس کے اور طروب کے نام کر گئے تھے وہ سب اپنے اختیار میں لینے کے لئے مجبور کر دیتی شاہ زیب کو، گدھ بن کر اس کے نام تک کو کھا جاتی کیونکہ میں بھوکی ہوں دولت کی، مجھے صرف روپے پیسے کی قدر ہے، انسان کی، رشتوں کی نہیں، یہ سچ مجھے اسی دنیا کے انسانوں سے ملا ہے، تم اپنی طاقت مجھ پر آزمانے کے لئے مجھے یہاں اٹھا لائے ہو مگر میری نظر میں اس دنیا کی سب سے طاقتور چیز اگر کوئی ہے تو صرف دولت ہے، مگر تم یہ سب نہیں سمجھو گے کیونکہ تمہارے ماں باپ تمہیں سونے کا نوالہ کھلاتے رہے ہیں، تمہیں اپنی ضرورتوں کے لئے ایڑیاں نہیں رگڑنی پڑیں، بھی فاقہ نہیں کرنا پڑا، کڑی دھوپ میں پیدل چل چل کر بھی تمہارے پیروں میں آبلے نہیں پڑے، ذلت سے دوچار کرنے والی غربت کا سیاہ منہ، تم نے کبھی نہیں دیکھا، تمہیں بھی کسی نے اس لئے نہیں دھتکارا ہو گا کہ تمہارے پاس اچھا لباس پہننے کی استطاعت

نہ تھی، بھوک سے تنگ آ کر تم نے اپنے آپ کو بیچنے کا ارادہ نہیں کیا ہو گا، مفلسی نے تمہیں خود کشی کے لئے مجبور نہیں کیا ہو گا، مگر میں نے یہ سب کچھ جھیلا ہے، غربت کے تاریک دوزخ میں، بس ایک عزت داؤ پر نہیں لگائی، اپنوں کا سودا نہیں کیا، پیسے کے لئے قتل نہیں کیا، باقی سب جائز کر لیا خود پر دولت کے حصول کے لئے، غربت کے ناسور سے بچنے کے لئے میں اگر ساری زندگی بھی دھکے کھاتی رہتی تو بھی اس کی اذیت اور تاریکی سے نہ خود کو نکال سکتی تھی نہ اپنے خاندان کو۔'' بہتے آنسوؤں کے ساتھ وہ بلند آواز میں بولتی جا رہی تھی۔

''بینک کی معمولی ملازمت سے کچھ حاصل نہیں ہونے والا تھا، مجھے بہت آگے جانا تھا اور آگے بڑھنے کے لئے مضبوط سہارے کی ضرورت تھی، ایک ایسے مرد کے نام اور تحفظ کی ضرورت تھی جو خود معاشرے میں اچھے مقام پر ہو، یہ سچ ہے کہ میرے لئے شاہ زیب نہیں اس کا پیسہ اہم تھا، قسمت نے ایک موقع دیا تھا مجھے شاہ زیب کی صورت، جسے میں ہرگز گنوانا نہیں چاہتی تھی، ایک تعلق کے دھوکے میں رکھ کر میں نے اس سے بہت کچھ حاصل کیا، میں نے کبھی اس سے یہ جھوٹ نہیں بولا کہ مجھے اس سے محبت ہے، میں نے کبھی اس سے انہیں کہا کہ وہ مجھ سے یہ شادی کرے، اپنی غرض اور ضرورت کے تحت اس کا پروپوزل قبول کرنے کے باوجود میں یہ جانتی تھی کہ میں اس کے قابل نہیں ہوں، میں کتنی ہی دولت، شہرت اور عزت حاصل کر لوں مگر کبھی اس جیسے اچھے انسان کے برابر نہیں آ سکتی کبھی، باوجود اس کے کہ آج میرے پاس سب کچھ ہے، میرے بہن، بھائی اپنی اپنی زندگی میں کامیاب اور آسودہ ہیں، مجھے اب شاہ زیب سے کوئی فائدہ اٹھانے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔'' کمزور آواز میں بولتی وہ ایک پل کے لئے رکی تھی۔

''مجھے شادی اس سے پہلے بھی نہیں کرنا تھی، اس دن میں نے جان بوجھ کر وہ سب کہا اور کیا، میں جانتی ہوں شاہ زیب اپنے ماں باپ اور تمہارے لئے بہت حساس ہے، میں چاہتی تھی کہ وہ مجھے دھتکار دے اور میں اپنی کوشش میں کامیاب رہی، مجھے اندازہ تھا کہ اتنا وقت گزرنے کے بعد شاہ زیب صرف اپنی زبان کی وجہ سے مجھ سے شادی کے فیصلے پر قائم ہے، کیونکہ وہ اپنی زبان کا پکا ہے، اس کی جگہ کوئی اور مرد ہوتا تو بہت پہلے ہی مجھ پر لعنت بھیج کر جان چھڑا چکا ہوتا، وہ اپنی زبان کی پاسداری اور رواداری میں اپنا نقصان کرتا رہا اور نہ اس کے دل میں جو بھی میرے لئے نرم گوشہ تھا اسے تو میری خود غرضی اور دولت کی بھوک لگ گئی، یہ سب جانتے ہوئے بھی میں اس کی خاموشی کا فائدہ اٹھاتی رہی، آج مجھے اس کی سپورٹ کی ضرورت نہیں ہے مگر آج بھی مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ دوٹوک انداز میں یہ حقیقت بتا سکوں کہ میرے دل میں اس کی عزت ہے، دل اس کے احسانوں کے بوجھ سے دبا ہوا ہے، مگر دل کی کسی گونے میں اس کے لئے محبت کا جذبہ بھی نہیں رہا، میں کبھی اسے یہ بتانے کی جرأت نہ کر سکی کہ میں اس سے شادی بھی کرنا ہی نہیں چاہتی تھی، میں اس سے کہنا چاہتی تھی کہ وہ اپنے ماں باپ کی بات مان کر مجھ سے دستبردار ہو جائے مگر نہیں کہہ سکی، پہلے اپنے فائدے آڑے آتے رہے تھے، پھر بعد میں ضدی ہو گئی کہ شاہ زیب کو اس حد تک عاجز کر دوں کہ وہ خود ہی قدم پیچھے ہٹانے پر مجبور ہو جائے۔'' سر اٹھا کر اس نے شاہ میر کو دیکھا تھا جو بغور اس کی طرف ہی متوجہ تھا۔

''تم میں اور شاہ زیب میں بہت فرق ہے، مجھے پہچان کر تم نے کئی بار اپنی طنزیہ باتوں سے مجھے ذلت سے دوچار کیا ہمیشہ، مجھے موقع ملا بدلہ لینے کا وہ میں نے لیا، تم بھی اگر بدلہ لینا چاہتے ہو تو میں گڑگڑاؤں گی نہیں، بس اتنا کرنا کہ مجھے کوئی ایسی چیز دے دینا جس سے میں اپنی شہ رگ کاٹ دوں، تم پر کوئی الزام نہیں آئے گا۔'' اس کے لرزتے لہجے پر وہ جانچتی نظروں سے اسے دیکھتا مقابل آرکا تھا۔

''تمہیں پورا یقین ہے کہ شاہ زیب کے بارے میں تم نے جو کچھ کہا وہ بالکل سچ ہے؟''

''جھوٹ بول کر کچھ حاصل ہوتا تو ضرور جھوٹ کہتی، یہ سچ تو خود شاہ زیب بھی جانتا ہے۔'' وہ ہلکی آواز میں بولی تھی، جواباً شاہ میر چند لمحے اس کی آنکھوں میں سچائی کو کھوجتا رہا تھا اور پھر ہلکا سا ہنکارا بھرتے ہوئے اس کی چوٹ کا جائزہ لیا تھا۔

''تمہیں فوری طور پر بینڈج کی ضرورت ہے، چلو جلدی کرو۔'' کچھ جھجک میں بولتا وہ دروازے کی سمت گیا تھا جبکہ یقینی اور بے یقینی کی سی کیفیت میں مبتلا شہرینہ فوری طور پر اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکی تھی۔

''سنبھل کر اترنا۔'' تاریکی میں اسے شاہ میر کی آواز سنائی دی تھی، واپسی کا سفر بہت مختلف تھا مگر وہ محسوس کرنے کے قابل نہیں تھی، دماغ گھوم رہا تھا، تاریکی میں کچھ بھجائی نہیں دے رہا تھا، ٹوٹے پھوٹے اسٹیپ پر اس کا پیر لڑکھڑایا تھا اس کی کراہ نے آگے جاتے شاہ میر کے قدم یک لخت روکے تھے، سرعت سے اس نے شہرینہ کو سنبھالا تھا جو اس کے شانے سے آٹکرائی تھی۔

''تم ٹھیک ہو؟'' وہ بوکھلا اٹھا تھا۔

''پتہ نہیں، میرا دماغ گھوم رہا ہے۔'' بمشکل خود کو سنبھالتی وہ بے بسی سے بولی تھی۔

''تمہاری چوٹ کی وجہ سے شاید خون بھی تو بہت بہہ گیا ہے۔'' وہ تشویش سے بولا تھا۔

''نہیں، اس کی وجہ سے نہیں۔''

''تو پھر؟''

''میرا دم گھٹ رہا ہے یہاں۔'' اس کے ہاتھ کا سہارا ملنے کے باوجود وہ وہیں سیڑھیوں پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔

''پھر تو مجبوری ہے۔'' وہ بولا تھا۔

اور اگلے ہی پل وہ اسے بازوؤں میں اٹھاتا تیزی سے سیڑھیاں اترتا جا رہا تھا، سچ تو یہ تھا کہ وہ خود بھی اس جگہ سے دور بھاگ جانا چاہتا تھا، اسے شہرینہ کی فکر ہونے لگی تھی اور یہ بہت عجیب احساس تھا جو وہ یہاں سے اپنے ساتھ لے کر جا رہا تھا، اس کے پھولوں جیسے نازک ہلکے پھلکے وجود کو گاڑی میں منتقل کرنے کے بعد وہاں سے نکلنے میں شاہ میر نے ذرا دیر نہیں لگائی تھی۔

پانی پینے کے بعد اس کی طبیعت کچھ سنبھلی تھی، شاہ میر کی ہدایت پر اس نے نشو پیپر سے اپنی پیشانی اور چہرے پر موجود خون کو آہستہ آہستہ صاف کرنا شروع کر دیا تھا۔

''اگر چوٹ بہت نہیں تو پھر کیا بات ہے۔'' کافی دور نکل آنے کے بعد شاہ میر نے اسے مخاطب کیا تھا۔

''دو دن سے کچھ کھایا نہیں، کافی پریشان تھی۔'' اس کے نقاہت زدہ لہجے پر شاہ میر نے اسے دیکھا تھا۔

''اگر تم چاہو تو مجھے اپنی پریشانی بتا سکتی ہو۔'' شاہ میر کے کہنے پر وہ چند لمحوں کے لئے خاموش رہی مگر پھر بول اٹھی تھی۔

''میں اپنا کلیکشن لوچ کرنا چاہ رہی تھی، مگر اس سے پہلے ہی کافی نقصان ہو گیا، میری پارٹنر نے مجھے دھوکا دیا، اس نے غیر معیاری کپڑے کو استعمال کیا، میری دن رات کی محنت اور پیسے پر پانی پھر گیا، کل میری اس سے کافی بحث وتکرار ہوئی، فیشن انڈسٹری میں اس کا کافی نام ہے میری کون سنتا، اس نے اپنے تمام فیشن شوز سے الگ کر دیا مجھے، جبکہ میں خود بھی اب اس کے ساتھ کوئی کام نہیں کرنا چاہتی۔''

''تمہیں صدمہ ہے یا حیرت کہ تمہاری اتنی قابل بھروسہ پارٹنر نے تمہیں دھوکہ دیا؟'' کچھ تھا شاہ میر کے لہجے میں جو شہرینہ نے اسے دیکھا تھا۔

''نہیں دونوں ہی باتیں نہیں ہیں، مجھے سمجھ آ گیا ہے کہ جب ہم کسی کو دھوکہ دے رہے ہوتے ہیں تو کوئی ہمارے لئے بھی دھوکہ دہی کے جال تیار کر رہا ہوتا ہے، لاکھ ہوشیاری کے باوجود ہمیں اس جال میں کبھی نہ کبھی پھنسنا ہی پڑ جاتا ہے۔''

وہ مدھم آواز میں بولی تھی، اگلے آدھے گھنٹے میں وہ ہاسپٹل سے بینڈج وغیرہ سے بھی فارغ ہو گئی تھی۔

وہ ایک کافی بارونق سڑک تھی، اسے فوڈ اسٹریٹ کہنا غلط نہ ہو گا، لوگ کھانے پینے اور باتوں میں مصروف اور محو تھے، طرح طرح کے کھانوں کی خوشبوؤں نے اس کی اشتہا کو بھی بڑھا دیا تھا، جوس کے پیکٹ سے آخری گھونٹ لے کر اس نے رسٹ واچ پر نگاہ کی، رات کے دس بج رہے تھے تب ہی وہ چونک کر شاہ میر کی طرف متوجہ ہوئی تھی جو جانے کیا کچھ کھانے پینے کے لئے لے آیا تھا۔

''کیا ہوا؟'' اس کی حیران نظروں پر وہ پوچھ رہا تھا۔

''اتنا سب کس کے لئے؟''

''ظاہر ہے تمہارے لئے، ڈاکٹر کو بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ تم نے کئی گھنٹوں سے کچھ نہیں کھایا، گھر فون کیا تم نے؟'' جواب دے کر اس نے پوچھا تھا۔

''ہاں امی سے بات ہو گئی ہے۔''

''یہ اچھا ہو گیا، ویسے بھی ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی۔'' اس کے سنجیدہ لہجے میں کچھ تھا جو شہرینہ نے اسے دیکھا مگر خاموش رہی تھی۔

''میں اور زیب اکثر یہاں آتے ہیں، تم تو شاید کبھی ایسی جگہ آنا پسند نہ کرو مگر ابھی مجبوری تھی اور قریب ترین جگہ بھی یہی تھی۔'' برگر کھاتے ہوئے وہ بولا تھا، برگر لذیز تھا اور اسے بھوک بھی کافی تھی مگر بار بار شاہ میر کا اپنی طرف دیکھنا اسے کچھ نروس کر رہا تھا، وہ رشت سے کھا نہیں پا رہی تھی، اسی دوران شاہ میر کے فون پر شاہ زیب کی کال آ گئی تھی، وہ کچھ پرسکون ہوئی تھی اس کی توجہ کے بٹنے سے۔

''میں تم سے کوئی معذرت نہیں کروں گا۔'' اس کے اچانک کہنے پر شہرینہ نے اسے دیکھا تھا۔

''کیونکہ جو میں نے کیا اگر وہ نہ کرتا تو کچھ حقیقتوں سے بے خبر رہتا، تم شاید غلطی سے بھی مجھے اپنے دل کی کوئی بات زندگی بھر نہ بتاتیں اور میں تم سے نفرت کرتا رہتا۔''

''اب نہیں کرتے نفرت؟'' وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی تھی۔

''نہیں، کیونکہ اب میں تمہیں جان چکا ہوں۔'' بغور اسے دیکھتا وہ اتنا ہی بولا تھا۔

''جاننے کے لئے چند گھنٹے کافی ہوتے ہیں؟'' اس کی جانب دیکھے بغیر وہ پوچھ رہی تھی۔

''ہاں چند گھنٹوں میں پل پل بدلتے حالات اور جذبات پہچان کروا دیتے ہیں انسان کی۔'' اس کے سنجیدہ لہجے پر وہ خاموش رہی تھی۔

''میں جانتا ہوں کہ تمہارا کافی نقصان ہوا ہے مگر فکر مت کرو، کوشش کروں گی تو ضرور اپنا کلیکشن کامیابی سے لونچ کرلوگی۔'' چند لمحوں بعد وہ بولا تھا۔

''نہیں، اب میں اسی کام کو ہاتھ لگاؤں گی جو میں خود کرسکوں، پھر نقصان ہو یا فائدہ۔'' وہ بولی تھی۔

''اچھی بات ہے۔'' وہ بولا تھا۔

''مجھے بھی گزرے سالوں میں یہ پہچان نہ ہوئی جو گزرے چند گھنٹوں میں ہوگئی۔'' ایک پل کو رک کر شہرینہ نے اسے دیکھا تھا۔

''کہ تم ایک اچھے انسان ہو، شاہ زیب یونہی تم پر جان نثار نہیں کرتا۔'' اس کے کہنے پر شاہ میر حیرت سے اسے دیکھتا ہلکا سا مسکرایا تھا۔

''تمہیں چوٹ پہنچائی اس کے باوجود تم مجھے اچھا انسان کہہ رہی ہو؟''

''نہیں، صرف چوٹ پہنچائی ہے اس لئے اچھا کہہ رہی ہوں، ورنہ جو کچھ مجھ سے سرزد ہوا اس کے مطابق تو میں زیادہ کی مستحق تھی۔'' وہ پشیمان لہجے میں بولتی اس کے چہرے سے نگاہ ہٹا گئی تھی۔

☆☆☆

''میرے سمجھانے کا بھی کوئی اثر نہ ہوا تم پر، آخر وہی کیا تم نے جو ٹھان رکھا تھا، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اپنے سنگین ارادوں پر عمل بھی کر ڈالو گے۔''

''آہستہ بولو، طروب نے سن لیا تو کیا وضاحت دوں گا اسے۔'' شاہ زیب کے بلند اور غصیلے لہجے پر شاہ میر نے زچ ہو کر کہا تھا۔

''کیوں چھپانا چاہتے ہو طروب سے یہ بات، جب تم جانتے ہو کہ یہ قدم انتہائی غلط تھا تو کیوں ایسا شرمناک کام کرنے کا سوچا تم نے۔''

''شاہ زیب! تم جانتے ہو کہ میں غصے میں کچھ بھی کہوں مگر ایسا کوئی شرمناک کام نہیں کرسکتا جو مجھے تم سے اور اپنے آپ سے نظر نہ مل نہ دے، میں عورت کی عزت کرنا جانتا ہوں۔'' شاہ میر درمیان میں بول اٹھا تھا۔

''تو پھر کیوں تم نے شہرینہ کو اذیت دینے کا سوچا اور صرف سوچا ہی نہیں عمل کرنے کی بھی کوشش کی۔'' اس بار شاہ زیب کی آواز نیچی مگر لہجہ غصے میں بپھرا ہوا ہی تھا۔

''جتنی اذیت اس نے مجھے پہنچائی اس کے مقابلے میں تو میں نے کچھ بھی نہیں کیا، میرا کوئی ارادہ نہیں تھا اسے تنگ کرنے کا، میں بس یہ چاہتا تھا کہ وہ مجھ سے معافی مانگے اپنی غلطی پر شرمندہ ہو۔''

''اسی لئے تم اسے زبردستی ایک ایسی جگہ لے گئے جہاں کچھ بھی ہو سکتا تھا۔'' شاہ زیب نے غصیلے لہجے میں ہی اس کی بات کاٹی تھی۔

''وہ جیسی بھی، جس قدر بھی آزاد خیال ہے، اچھی ہے یا بری، لیکن اس سچ پر مجھے زدہ بھر بھی کوئی شک و شبہ نہیں کہ وہ ایک باکردار لڑکی ہے، اس کے دامن پر کوئی داغ نہیں ہے، ایسی لڑکی کے سامنے تم نے اپنا ہی نہیں میرا سر بھی جھکا دیا ہے۔''

''دیکھو، جو ہونا تھا وہ ہو چکا ہے، اس کا دامن میری وجہ سے داغدار ہوا بھی نہیں ہے، جو مجھ سے سرزد ہوا وہ غلط ہے میں مانتا ہوں، اس کے لئے میں شہرینہ سے معافی مانگ لوں گا، میرے اور اس کے درمیان جو باتیں ہوئیں وہ سب میں تمہیں بتا چکا ہوں اگر تمہیں میری باتوں پر شبہ ہے تو تم ابھی شہرینہ سے بات کرو، شاید پھر تمہیں یقین آجائے۔'' شاہ میر کافی ناراض لہجے میں بولا تھا۔

''اور بات صرف معافی تلافی تک ہی محدود نہیں رہی ہم دونوں کا دل ایک دوسرے سے صاف ہو چکا ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ شہرینہ اور میں ایک دوسرے کے دوست بن چکے ہیں، ایک طویل دشمنی کے بعد، اب اگر اس بات پر تمہیں کوئی اعتراض ہے تو کہو۔''

''میری طرف سے تم اپنے کیا میرے بھی ہر دشمن کو گلے لگا لو، لیکن آج تم نے مجھے بہت مایوس کیا ہے، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اس حد تک جا سکتے ہو۔'' شاہ زیب کے ہنوز بگڑے لہجے پر ایک پل کے لئے اس نے اپنا سر پکڑ لیا تھا۔

''دیکھو، اگر وہ سیدھی زبان سمجھنے والی ہوتی تو میں کبھی اس حد تک نہ جاتا، بہرحال وہ مجھے معاف کر چکی ہے اور میں اسے، اب خدا کا واسطہ ہے تم بھی مجھے معاف کر کے اس ٹاپک کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دو، طروب کو ذرا بھی میری اس حرکت کی خبر نہیں لگنی چاہیے۔''

''لگنے دو اسے بھنک، ویسے بھی تم نے تو جو کرنا تھا وہ کر کے ہی دم لیا ہے تم نے۔'' شاہ زیب ناگواری سے بولا تھا۔

''کیوں تم میرا گھر آباد ہونے سے پہلے برباد کرنے پر تلے ہو؟ طروب کے لئے مجھے چن کر اب تم خود میرا امیج اس کی نظروں میں خراب کرو گے تو اس کی ناں، کبھی ہاں میں نہیں بدل سکے گی، جبکہ بقول تمہارے طروب کے لئے تمہیں مجھ سے بڑھ کر کسی پر بھروسہ نہیں، اپنی زبان سے تم کسی صورت نہیں پھرتے یہ یاد رکھنا۔'' شاہ میر کے جتانے والے انداز پر وہ بس کڑی نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

☆☆☆

ایک گہری چپ اس نے سادھ رکھی تھی، شاہ میر سے بھی اس کا رویہ کھینچا کھینچا سا تھا، ان دونوں کے گھر آنے کے بعد وہ کسی نہ کسی بہانے سے اپنے کمرے تک ہی محدود رہتی، اس کی گہری سنجیدگی اور لاتعلقی کو دیکھتے ہوئے شاہ میر نے بھی اسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا تھا مگر اس نے کوشش ضرور کی تھی کہ کسی طرح طروب کی خاموشی ٹوٹے مگر وہ کامیاب نہیں ہو سکا تھا اور پھر زیادہ بات کرنے کا موقع بھی نہیں مل رہا تھا، کھانے کے بعد وہ اب پہلے کی طرح لاؤنج میں نہیں رکتی تھی، بات اتنی ہی کرتی جتنی ضرورت ہو، شاہ زیب بھی یہ سب دیکھ رہا تھا مگر خاموش تھا، لیکن اس رات جب وہ اور شاہ میر گھر پہنچے تو طروب کو دیکھتے ہی وہ دونوں چونک گئے تھے اس کے چہرے سے ہی اس کی طبیعت کی ناسازی کا اندازہ ہو رہا تھا، شاہ میر کے پوچھنے پر وہ ٹال گئی تھی، کھانا بھی اس نے برائے نام کھایا تھا۔

''شاہ زیب! تم طروب سے بات کرو، میری تو کسی بات کو وہ توجہ سے سننے کے موڈ میں نہیں۔'' شاہ میر نے لاؤنج میں آتے ہوئے اسے مخاطب کیا تھا، جو ٹی وی اسکرین سے نگاہ ہٹاتا مکمل متوجہ ہو گیا تھا۔

''ہاں مجھے ہی اس سے بات کرنی ہوگی، اس نے شہرینہ کی باتوں کو دل سے لگا لیا ہے، اندازہ ہے مجھے۔'' شاہ زیب پرسوچ انداز میں بولا تھا۔

''کچھ بھی کرو مگر اس کی خاموشی ختم کرو، میں ذرا باہر جا رہا ہوں، تم چاہو تو ابھی بات کرو طروب سے۔'' شاہ میر کے کہنے پر اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

بند دروازے پر دستک دے کر اسے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا تھا، طروب کے لئے حیران کن تھا اس کا اپنے کمرے تک آنا، چہرے سے

ٹکراتیں بکھری لٹیں سمیٹتے ہوئے وہ اپنی حیرت نہیں چھپا سکی تھی شاہ زیب کو اندر آنے کا راستہ دیتے ہوئے۔

"میں نے ڈسٹرب تو نہیں کیا، شاید تم سونے لگی تھیں؟" ایک پل کو رک کر شاہ زیب نے بغور اس کے سستے چہرے کو دیکھا تھا۔

"نہیں آ کا جا....." طروب کی زبان لڑکھڑائی تھی۔

"وہ..... میرے سر میں کچھ درد تھا تو..... جاگ ہی رہی تھی۔" کمزور لہجے میں بولتی وہ اس کی جانب دیکھ نہیں سکی تھی۔

"تمہارے چہرے سے لگ رہا ہے تمہاری طبیعت درست نہیں۔" شاہ زیب نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے حیران کر دیا تھا۔

"بخار سے نہیں، کب سے طبیعت ٹھیک نہیں؟ کم از کم ایک ٹون تو کر دینا چاہیے تھا، ابھی چلو میرے ساتھ ڈاکٹر سے چیک اپ کروانا ہو گا۔"

"معمولی سا بخار ہے ٹھیک ہو جائے گا۔" شاہ زیب کے ڈپٹنے والے انداز پر وہ خفیف سی ہو کر بولی تھی۔

"اندازہ ہو رہا ہے کہ کتنا معمولی ہے، اگر میرے ساتھ ہی نہیں جانا تو میں شاہ کو بلا لیتا ہوں، اس کے ساتھ تو تمہیں کہیں بھی جانے پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔" شاہ زیب کے سرد لہجے پر وہ چونکی تھی۔

"مجھے کسی کے بھی ساتھ نہیں جانا، میں ٹھیک ہوں۔" اس کی جانب دیکھے بغیر وہ پیشانی پر بل ڈالے سامنے سے ہٹتی کھڑکی کی سمت بڑھ گئی تھی، شاہ زیب چند لمحوں تک اسے دیکھتا رہا تھا جو خود کو مصروف ظاہر کرنے کے لئے پردے ایک طرف ہٹا رہی تھی۔

"بہت اچھی طرح سیٹ کیا ہے تم نے کمرے کو، ویسے یقین ہے کہ اس میں شاہ کا عمل دخل زیادہ ہے۔" شاہ زیب کے کہنے پر اس نے گہری سانس لی تھی جبکہ شاہ زیب خود بھی کھڑکی کی سمت آ گیا تھا۔

"ادب کا تقاضہ یہ ہے کہ اگر کوئی آپ سے مخاطب ہے تو اسے توجہ سے سنا جائے، رخ پھیر کر خاموشی سے اپنی بیزاری کا اظہار کرنے سے بہتر ہے کہ لفظوں کا سہارا لے کر مخاطب کو ایک ہی بار شرمندہ کر دیا جائے۔" سنجیدگی سے بول کر وہ اس پر سے نگاہ ہٹاتا جانے کے لئے پلٹ گیا تھا جبکہ طروب یکدم نادم سی ہو کر بے اختیار اس کے پیچھے گئی تھی۔

"آپ ناراض مت ہوں، مجھے لگا کہ آپ بس میری طبیعت کا پوچھنے آئے تھے، آپ اس طرف آتے نہیں تو....." شاہ زیب کی سنجیدہ نظروں پر وہ شرمندگی سے بات مکمل نہیں کر سکی تھی۔

"کافی نامعقول وضاحت ہے مگر قبول کرنی پڑے گی، ویسے بھی طبیعت ناساز ہے تمہاری۔" شاہ زیب کے جملوں نے اسے مزید شرمسار کیا تھا۔

"میں نے ٹیبلٹس لی تھیں، اب تو طبیعت ٹھیک ہے، آپ بیٹھیے تو۔" طروب کے بیدار ہوتے اخلاق پر وہ دھیرے سے مسکرایا تھا۔

"ہاں آرام سے روبرو بیٹھ کر تم سے کچھ باتیں کرنے کا موڈ تو ہے، اگر طبیعت اجازت دے تو لاؤنج میں آ جاؤ، آج میں تمہارے لئے خود چائے بناؤں گا اور تم سے اچھی بناؤں گا۔" اس کے دوستانہ سے انداز پر طروب حیران ہوئی تھی مگر پھر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے مسکرا اٹھی تھی۔

لاؤنج میں آتے شاہ زیب کو دیکھ کر اس نے مگ بن ایک طرف رکھ دیا تھا۔

"شاہ! کب تک واپس آئیں گے؟"

مگ کا مگ شاہ زیب سے لیتی وہ بولی تھی مگر اگلے ہی پل وہ حیران ہوتی گڑبڑا سی گئی تھی جب اس نے شاہ زیب کو اسی صوفے پر اپنے سے کچھ فاصلے پر براجمان ہوتے دیکھا تھا۔

"جب بھی بھی وہ واپس آئے لیکن آنا تو اسے یہیں ہے میرے اور تمہارے درمیان۔" اس کے سنجیدہ لہجے مگر مسکراتی نظروں پر طروب کے دل کی دھڑکن رکی تھی، نظر چراتے ہوئے اس نے لبوں سے لگا لیا تھا، اس کے چہرے کے بدلتی رنگت شاہ زیب سے چھپی نہیں رہ سکی تھی۔

"آپ کو کوئی ضروری بات کرنی تھی؟" خاموشی اور قربت سے گھبرا کر طروب کو اس کی جانب دیکھنا پڑا تھا۔

"پہلے یہ بتاؤ چائے کیسی لگی تمہیں؟"

"بہت اچھی۔" وہ ہلکا سا مسکرائی تھی۔

"شکریہ۔" جواباً وہ بھی مسکرایا تھا۔

"اب مجھے وہ سب باتیں بتاؤ جو تمہیں پریشان کر رہی ہیں؟ مجھ پر تو تمہاری نظر کرم کم ہی پڑی ہے مگر شاہ میرا بھی پریشان ہے تمہاری مستقل خاموش کیفیت سے۔" شاہ زیب کے پوچھنے پر وہ بس خاموشی سے نظر جھکائے چائے کے مگ کو دیکھتی رہی تھی۔

"شہرینہ کی طرف سے مجھے اسی ردعمل کی توقع تھی، یہ سب ایک نہ ایک دن ہونا تھا۔"

"آپ اس کے مطالبے مان سکتے تھے، میں آپ کی اور اس کی خوشی کے لئے ہر چیز سے دستبردار ہو سکتی ہوں۔"

"اس میں میری کوئی خوشی نہیں تھی، تم کیوں کسی کے لئے اپنے حق سے دستبردار ہو سکتی ہو؟" طروب کی طرح شاہ زیب کو بھی اس کی بات کاٹنی پڑی تھی۔

"جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتی ہو، بالفرض میں اس کا ہر مطالبہ مان بھی لیتا تو بھی وہ مجھ سے شادی کے لئے بھی اقرار نہ کرتی، اسے بس مجھ سے تعلق ختم کرنے کا ایک بہانہ چاہیے تھا، آج وہ ایک اچھے مقام پر ہے، اسٹرانگ ہو چکی ہے، اب اسے میرے سہارے کی ضرورت نہیں، صرف اپنی زبان کا بھرم رکھنے کے لئے ہی نہیں، میں اس لئے بھی خاموش تھا کہ میں چاہتا تھا وہ اس سچ کو قبول کرے کہ اسے مجھ سے کوئی تعلق بنانا ہی نہیں، یہ وہ سچ ہے جو میں کافی پہلے جان چکا تھا، میری غلطی یہ تھی کہ بنا سوچے سمجھے میں نے جلد بازی میں ایک بڑا فیصلہ کر لیا تھا اور پھر اس کا خمیازہ بھی بھگتنا پڑا اب تک، شہرینہ نے جو گستاخی کی، ہم سب کی انسلٹ کی، تمہارے دل کو ٹھیس پہنچائی اس کا مقصد صرف یہی تھا کہ کسی طرح وہ مجھے مجبور کر دے سب کچھ ختم کرنے پر، ہر چیز کو ایک طرف کر کے اگر وہ صرف مجھے ایک دوست سمجھ کر یہ کہہ دیتی کہ اس کے دل میں میرے لئے ایسا کوئی جذبہ پنپ ہی نہیں سکا جس کی وجہ سے وہ اپنی ساری زندگی میرے ساتھ گزارنا چاہتی، میں اسے کبھی مجبور نہیں کرتا، کبھی اسے یاد نہ دلاتا کہ میں نے اس کے لئے کیا کچھ کیا اور اس نے بدلے میں کیا دیا۔" شاہ زیب کے خاموش ہونے پر طروب نے بغور اسے دیکھا تھا۔

"کیا آپ اس سے محبت نہیں کرتے؟"

"مصنوعی، مجبوری اور ضرورت کے تعلق کے درمیان بھی محبت کا جذبہ جنم لے کر پھل پھول نہیں سکتا، یہ حقیقت جاننے میں بہت دیر لگی اسی لئے تو انجانے میں سچی اور کھری محبتوں کو

منوں مٹی تلے محروم ہی اپنے ہاتھوں سے دبا دیا۔"
شاہ زیب کے لہجے میں پچھتاوا اور آزردگی کی چھاپ تھی۔

"پھر اب کیا آپ مجھے ہاسٹل شفٹ ہونے کی اجازت دیں گے؟"

"تمہاری زبان سے میں دوبارہ ہاسٹل کا نام بھی نہ سنوں۔" اس کے گھرکنے پر طروب دنگ ہوئی تھی۔

"تمہیں میری کوئی فکر نہیں تو پھر جو چاہے فیصلہ کروانے لئے۔"

"میں اپنی نہیں آپ کی ہی فکر میں یہ پوچھ رہی تھی، میں ہاسٹل نہ جاؤں، آپ شادی نہ کریں، تو اب کیا کریں گے؟"

"تو بھی شادی ہی کریں گے اور اس کے لئے تمہارا ہاسٹل جانا نہیں گھر میں رہنا ضروری ہے۔" شاہ زیب کی سنجیدگی پر وہ الجھی نظروں سے اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

"یہ ٹھیک ہے طروب کہ پہلے بھی میں نے تمہارے لئے اس طرح سے نہیں سوچا تھا جس طرح امی اور ابو نے سوچ رکھا تھا، لیکن اب ایک چھت کے نیچے رہتے ہوئے تمہارے اور قریب رہ کر مجھے اندازہ ہوا ہے کہ میرے لئے تم سے بہتر واقعی کوئی نہیں، جس طرح ساتھ رہ کر میری سوچ، خیالات میں بدلاؤ آئے ہیں، ہو سکتا ہے تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی ہو، میرے لئے تمہاری وہ مرضی اور فیصلہ اہم ہے جواب ہے۔" بغور شاہ زیب نے اسے دیکھا تھا جو اس کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔

"طروب! مجھے ابھی تمہارا جواب چاہیے۔" اس کی خاموشی پر وہ بولا تھا۔

"آپ میرا جواب جانتے ہیں، میری مرضی تو امی اور ابو کی مرضی میں ہی ہمیشہ شامل رہی، سوچ بچار کی ضرورت تو آپ کو ہے، میں آخر چارہ تو نہیں ہوں۔" اس کی جانب دیکھے بغیر وہ کچھ چبھتے لہجے میں بولی تھی۔

"طنز کا حق رکھتی ہو تم، کوشش کروں گا کہ میری طرف سے تلافی میں کوئی کمی نہ رہے۔" شاہ زیب کی نگاہ ایک لمحے کو اس کے صبیح رخسار پر ٹھہری تھی۔

"شاہ سے کیا کہیں گے؟" طروب نے اسے دیکھا تھا جو گہری سانس لیتا فوری طور پر کچھ بول نہیں سکا تھا۔

"عجلت میں جو کچھ کہہ چکا ہوں، اس سے پھرنا مشکل تو ہے، تم میری مدد کرو گی؟"

"میں اس معاملے میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتی۔" خفت سے بوکھلتی وہ اٹھ جانا چاہتی تھی کہ یکدم شاہ زیب نے اس کا ہاتھ تھام کر روکا تھا، سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ طروب اس کی جانب دیکھ نہیں سکی تھی۔

"ٹھیک ہے لیکن ایک کام تو تم کر سکتی ہو کہ اسے مجھ سے زیادہ اہمیت نہ دو، اس سے دور رہنے کی کوشش تو کر سکتی ہو تم۔" شاہ زیب کے کہنے پر وہ حیرت زدہ رہ گئی تھی۔

"ہاں، میں جانتا ہوں کہ میں غلط بات کر رہا ہوں اور بیکار پابندی لگانے کی بات کر رہا ہوں، لیکن میں کیا کروں، مجھ سے برداشت نہیں ہوتا تمہارا اس سے بے تکلف ہونا، وہ بھی میری نظروں کے سامنے۔"

"شاہ تو مجھ سے ویسے ہی بات کرتے ہیں جس طرح پہلے کیا کرتے تھے۔" وہ اپنی ناراضی نہیں چھپا سکی تھی۔

"پہلے اور اب میں بہت فرق ہے، بہر حال تمہیں برا لگا اس کے لئے معذرت، شاید مجھے حق نہیں ہے تم پر ایسی کوئی حد لگانے کا۔"

"ایسا مت کہیں، میں پوری کوشش کروں گی کہ آپ کو شکایت نہ ہو۔" وہ فوراً ہی بول اٹھی تھی۔

"شکریہ، تم بہت اچھی ہو۔" اس کی مسکراہٹ پر وہ محجوب سی ہوئی تھی۔

"اور میں بہت برا، شاہ تو ویسے بھی آج کل مجھے زہر لگنے لگا ہے۔" اس کے مزید کہنے پر طروب اپنی ہنسی نہیں روک سکی تھی۔

"اسے پورا یقین ہے کہ میں تمہیں راضی کر لوں گا اس سے شادی کے لئے حامی بھرنے پر، تمہیں ہنسی آ رہی ہے اور میری تشویش بڑھ رہی ہے کہ میں اس سے دو ٹوک بات کیسے کروں گا۔"

"میں تو اس معاملے سے بھی دور رہنا چاہتی ہوں، یہ مشکل آپ نے خود ہی کی ہے، اسے آپ ہی دور کر سکتے ہیں۔" وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے بولی تھی۔

"ہاں، تھوڑا وقت لگے گا لیکن یہ مشکل بھی دور ہو جائے گی۔" مسکراتی نظروں سے اسے دیکھتا وہ بولا تھا۔

"ایک بات کہوں آپ سے، مانیں گے؟" جھجکتے ہوئے وہ بولی تھی۔

"بالکل مانیں گے، کوئی شک؟" شاہ زیب نے کافی دلچسپی سے اس کے تذبذب کو دیکھا تھا۔

"آپ دوبارہ بھی شہرینہ کے بارے میں بات نہیں کریں گے، آج کے بعد، مجھے بالکل اچھا نہیں لگے گا آپ سے اس کا ذکر بھی سننا۔" اس کے مدھم سنجیدہ لہجے نے ایک پل کے لئے شاہ زیب کو حیران کیا تھا۔

"اچھا لگا اپنے لئے تمہارا پوزیسو ہونا اور میں چاہتا ہوں تم ہمیشہ میرے لئے ایسی ہی ہو۔" اس کی جگمگاتی گہری نظروں پر پلکیں جھکاتے ہوئے طروب کے رخسار دہک اٹھے تھے۔

☆☆☆

طروب کو کچن میں اور شاہ زیب کو لیپ ٹاپ میں مصروف دیکھنے کے بعد موقع سے فائدہ اٹھاتا وہ ٹیرس کی پرسکون فضا میں آیا تھا اور شہرینہ کو کال کرنے کے ارادے پر عمل بھی کر ڈالا تھا۔

"میں نے سوچا تمہاری خیریت دریافت کروں، تم تو شاید اب میری شکل بھی نہ دیکھو۔" وہ مسکراتے لہجے میں بولا تھا۔

"ایسا تو بالکل نہیں، ویسے میں خیریت سے ہوں اگر آج تم مجھے کال نہ کرتے تو ایک دو دن میں میں ہی تم سے کانٹیکٹ کرتی۔"

"کوئی خاص خبر؟" شاہ میر چونکا تھا۔

"ہاں، تمہیں گھر اور گاڑی کی چابیاں دینی تھیں، شاہ زیب کے حوالے کرنے کے لئے، گھر اور گاڑی اسی کی امانت ہیں میرے پاس، گھر کی باقی ساری قیمت میں نے ادا کر دی تھی، یہ میری ملکیت ہے لیکن میں چاہتی ہوں کہ گھر شاہ زیب کے حوالے کروں، آدھی سے زیادہ رقم اسی نے ادا کی تھی اس گھر کی، شاید تھوڑا بہت ازالہ ہو جائے، تم پلیز اس سے کہنا کہ مجھے معاف کر دے، جانتے ہو تم سے سب کچھ کہہ دینے کے بعد میرے دل کا بوجھ تو ختم ہو گیا ہے، لیکن اس کی جگہ پشیمانیوں نے لے لی ہے۔" شہرینہ کا لہجہ بجھا ہوا تھا۔

"پشیمان ہونا بھی چاہیے، لیکن جہاں تک بات ہے گھر اور گاڑی کی واپسی کی تو یہ تو تم بھی جانتی ہو کہ شاہ زیب کی فطرت بھی یہ گوارا نہیں کرے گی کہ وہ تم کو دی گئی کوئی چیز واپس لے، اچھی بات یہ ہے کہ تمہارے ضمیر نے تمہیں ایک اچھا عمل کرنے کی ترغیب دی ہے۔"

"شاہ میر! وہ تمہاری بات رد نہیں کرے گا،

اسے کہو کہ کم از کم یہ دو چیزیں وہ واپس لے تاکہ میرا ضمیر کچھ تو مطمئن ہو جائے۔'' وہ التجائی لہجے میں بولی تھی۔

''ردتو میں بھی نہیں کر سکتا اب تمہاری کوئی بات، تم کہتی ہو تو آج ہی کر لیتا ہوں اس بارے میں بات۔''

''مجھے پتہ تھا تم ضرور میری بات مانو گے تھینکس۔''

''تھینکس اگر تم روبرو ہو کر کہو تو زیادہ اچھا نہیں ہوگا؟''

''جا بہاں تمہارے حوالے کرنے کے لئے مجھے روبرو آنا ہی ہوگا، لیکن تم پہلے شاہ زیب تک میرا میسج پہنچاؤ۔''

''فکر مت کرو، میں ابھی اس سے بات کر لیتا ہوں۔'' سنجیدہ ہوتے ہوئے شاہ میر نے اسے یقین دلایا تھا۔

''اچھا ہوا آپ یہاں موجود ہیں مجھے آپ کو کچھ بتانا تھا۔'' ٹیرس پر آتی طروب کے لہجے میں خوشی اور عجلت نمایاں تھی، شاہ میر کے استفسار پر اس نے اپنے اور شاہ زیب کے درمیان ہونے والی گفتگو سے اسے آگاہ کر دیا تھا البتہ شاہ زیب نے شاہ میر کے حوالے سے جو ہدایات دی تھیں اسے طروب نے سنسر کر دیا تھا۔

''دیکھا تم نے، میں نہ کہتا تھا کہ ذرا خود کو مضبوط کرو، سب کچھ تمہارے اختیار میں ہے۔'' شاہ میر کے یاد دلانے پر وہ مسکرائی تھی۔

''اب باقی چیزوں کو میرے اور شاہ زیب کے درمیان رہنے دو، اگر وہ میری وجہ سے پریشان ہے تو ہونے دو، تمہیں کیا کم پریشان کیا اس نے، یہی سزا ہے اس کی۔'' شاہ میر کے انداز پر وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔

''اب تو خوش ہو؟'' شاہ میر نے بغور اس کے کھلے پڑتے چہرے کو دیکھا تھا۔

''جی ہاں، بہت زیادہ۔'' بولتے ہوئے وہ یکدم رک کر شاہ زیب کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

''اگر کوئی ضروری باتیں ہو رہی ہیں تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔'' شاہ زیب کا لہجہ بظاہر سادہ تھا مگر اس کی ایک چبھتی نگاہ نے ہی طروب کی مسکراہٹ غائب کر دی تھی۔

''اب تو آپ آ ہی گئے ہیں، تشریف رکھیے ہم ذرا اپنی ملکہ طروب کے ساتھ ایک سیلفی لے لیں۔'' شاہ میر نے اتنی اچانک اس کے شانے کے گرد بازو حمائل کر کے قریب کیا تھا سیلفی لینے کے لئے کہ وہ کچھ کر نہیں پائی، البتہ شاہ زیب کی مستقل چبھتی نگاہوں نے اسے کم صم کر دیا تھا کافی کی فرمائش ایک بہانہ تھی طروب کو ٹیرس سے بھیجنے کے لئے کیونکہ شہر یہ کے بارے میں کوئی بات وہ طروب کے سامنے نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''تم اس سے کہہ دینا کہ اگر وہ چاہتی ہے کہ میں اسے معاف کر دوں تو مجھے کوئی چیز واپس کرنے کی بات نہ کرے، نہ مجھے کسی حساب کتاب سے کوئی غرض ہے۔'' شاہ میر سے شہر یہ کا پیغام سن کر وہ سنجیدگی سے اتنا ہی بولا تھا۔

''اور سنو، طروب کے سامنے اس کا ذکر غلطی سے بھی مت کرنا، مجھے اندازہ ہو چکا ہے کہ طروب اسے سخت ناپسند کرتی ہے۔'' شاہ زیب نے تاکید کی تھی۔

''ظاہر ہے، میں کیوں چاہوں گا کہ طروب میری طرف سے بدظن ہو، میرے مستقبل کا سوال بھی تو ہے۔'' شاہ میر مسکراہٹ چھپائے بولا تھا، جبکہ شاہ زیب نے بس ایک تیکھی نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

ٹیرس سے ان دونوں کو لاؤنج میں آتے دیکھ کر وہ ٹی وی کا والیوم کم کرتی شاہ زیب کی طرف متوجہ ہوئی تھی مگر اگلے ہی پل اس کے سپاٹ چہرے اور در دیکھنے کے انداز پر طروب سن سی ہو گئی تھی، جن نظروں سے وہ اسے دیکھتا ہوا سامنے سے گزرا تھا، وہ طروب کو ہراساں کرنے کے لئے بہت تھا، گھبرا کر اس نے قریب بیٹھے شاہ میر کو دیکھا تھا۔

''والیوم کیوں کم کیا، میں بھی تمہارے ساتھ بیوٹی ٹپس دیکھوں گا۔'' مسکراتی نظروں سے اسے دیکھ کر شاہ میر نے ریموٹ اس سے لیا تھا جبکہ طروب کی نگاہ بے اختیار شاہ زیب کی طرف گئی تھی۔

''شاہ! ذرا پانی کی بوتل لینے آؤ۔'' اپنے کمرے کے دروازے پر رکا وہ کافی کھردرے لہجے میں مخاطب تو شاہ میر سے تھا مگر اس کی ناگوار نظریں طروب پر تھیں جو بوکھلا اٹھی تھی۔

''میں لے آتی ہوں۔'' اس نے اٹھنا چاہا تھا کہ شاہ میر نے جھٹ اس کا ہاتھ تھام کر روکا تھا۔

''بیٹھی رہو، آتا ہوں شاہ زیب دو منٹ میں۔'' بول کر وہ ٹی وی اسکرین کی طرف متوجہ ہو گیا تھا جبکہ طروب کی تو جان ہی نکل گئی تھی، اس لمحے جب شاہ زیب سلگتی نظریں اس کے فق چہرے سے ہٹا کر کمرے میں گیا تھا۔

☆☆☆

اپنے کمرے میں ٹہلتے ہوئے اس کا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا، بار بار اس کی منتظر نظریں باہر جا رہی تھیں مگر جس کا انتظار تھا اس کے آنے کے کوئی آثار بھی نہیں تھے، کوئی دو رجن بھر میسجز طروب نے اسے بھیجے مگر جواباً مکمل خاموشی، وہ یقیناً اس کو نظر انداز کر رہا تھا، طروب کے لئے یہ بہت حیران کن کہیں تھا کہ وہ ناحق اس حد تک کیوں ناراض ہوا ہے مگر اپنی کیفیت پر اسے شدید حیرت تھی کہ شاہ زیب کی ناراضی کا وہ اس حد تک اثر لے رہی ہے کہ نیند تک آنکھوں سے اڑ چکی تھی، سکون سے وہ اس کا انتظار بھی نہیں کر پا رہی تھی، ٹہل ٹہل کر پیر دکھنے لگے تھے بے چینی حد سے تجاوز کرنے لگی تھی، اگر شاہ میر کا خیال نہ ہوتا تو اب تک وہ شاہ زیب کے روبرو پہنچ چکی ہوتی، بھاری ہوتے دل کے ساتھ بالآخر وہ اسے کال کرنے پر مجبور ہو گئی تھی، ایک پل کو تو وہ بے یقین ہوئی تھی مگر یہ سچ تھا شاہ زیب نے کال ریسیو کر لی تھی۔

''آپ ابھی اسی وقت یہاں آئیں، مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔'' لرزتے لہجے میں بمشکل بولتے ہوئے اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

''آخر میرا قصور کیا ہے، آپ کیوں اس طرح کر رہے ہیں۔'' دوسری جانب جامد خاموشی پر طروب کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔

''میں آپ کا انتظار کر رہی ہوں، ساری رات چاہے ایسے ہی گزر جائے مگر آپ کو آ کر مجھ سے بات کرنی ہوگی۔'' طروب کی بات ادھوری رہ گئی تھی، کہ وہ لائن ڈسکنکٹ کر گیا تھا۔

ہال میں وہ ڈائننگ ٹیبل کے گرد کرسی پر بیٹھی کسی بت کی طرح ساکت تھی، رات دھیرے دھیرے گزرتی چلی گئی تھی، دور کہیں سے فجر کی اذانیں بلند ہو رہی تھیں، قدموں کی مانوس آہٹ کو سنتے ہوئے بھی طروب نے سر اٹھا کر نہیں دیکھا تھا، چند لمحوں تک شاہ زیب اسے دیکھتا رہا تھا مگر پھر کرسی کا رخ اس کی جانب کرتا بالکل سامنے براجمان ہوا تھا۔

''میرے لئے یہ احساس بہت اجنبی مگر بہت خوبصورت ہے کہ کوئی ہے جو میرا منتظر رہتا ہے، میرے لئے بے چین ہو اٹھتا ہے، بہت

عجیب مگر خوش کن ہے یہ احساس کے میرے مزاج کے موسم کسی کے دل پر اس حد تک بھی اثر انداز ہو سکتے ہیں۔'' اس کے تحیر بھرے لہجے کو سنتے ہوئے وہ نظر جھکائے ساکت تھی۔

''میرے ساتھ یہ سب پہلی بار ہے طروب، شاید اسی لئے میں ان احساسات کی قدر نہیں کر پا رہا۔'' ایک پل کو وہ رکا تھا اور پھر دھیرے سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں کے درمیان محفوظ کر لیا تھا۔

''ایم سوری، تمہیں تکلیف دینے کا کبھی سوچ بھی نہیں سکتا، بس کسی اور کے قریب تمہیں دیکھنا برداشت نہیں ہوتا۔'' اس کے شرمسار لہجے پر طروب نے جلتی نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

''یہ سب پہلی بار نہیں، مجھے تو اب عادت ہو چکی ہے، ان احساسات کو محسوس آپ نے اب کیا ہے، آپ نے ٹھیک کہا، آپ ہمیشہ سے میرے لئے ایسے ہی ہیں، انجان سے، بے قدر، سنگدل۔'' رنجے لہجے میں بولتی وہ اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے نکالنے تیزی سے وہاں سے گئی تھی، وہ یقیناً اس کے سامنے آنسو عیاں نہیں کرنا چاہتی تھی، سامنے کمرے کے بند ہوتے دروازے کو دیکھتا شاہ زیب مستقل سیاہ ہوتی آنکھوں میں تیرتی اذیت میں ڈوبا دم بخود سا تھا۔

☆☆☆

بینک کی جانب بڑھتا وہ جہاں ٹھٹکا تھا وہیں بینک سے باہر آتی شہرینہ بھی پہلے چونکی اور پھر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ قریب آ رکی تھی، تراشیدہ بالوں کو پونی ٹیل میں جکڑے وہ کاٹن کے سادہ سے لباس میں ملبوس تھی، دوپٹہ شانوں پر پھیلائے سیاہ چمڑے کا بیگ کاندھے پر ڈالے وہ ایک پل کو ابھی بھی شاہ میر کی معنی خیز سی مسکراہٹ پر لیکن پھر ترچھی نظروں سے اسے گھورا تھا۔

''اس شیطانی مسکراہٹ کی وجہ؟'' اس کے سوال پر وہ بے ساختہ ہنسا تھا۔

''یہ نیچرل بیوٹی ہے مسٹر، تم جیسے دیدہ ہوائی لوگوں کو اس کی پہچان کہاں۔'' شہرینہ کے جتانے پر وہ مزید ہنسا تھا۔

''اب چاہے کچھ بھی کہہ لو، مگر مجھے پتہ چل گیا، مصنوعی چیزیں تھوپ کر کوئی سپر ماڈل بن جائے یا فیشن آئیکون، اندر سے سب ایسی ہی فکتی ہیں، جیسی کہ تم نظر آ رہی ہو۔'' شاہ میر کے کہنے پر اب کہ وہ اپنی ہنسی نہیں چھپا سکی تھی۔

''ویسے آپ بتانا پسند کریں گی کہ کیا کچھ لوٹ کر بھی ہو بنک سے؟'' وہ اب بھی اسے چھیڑنے کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھا۔

''یہ کام تمہیں مبارک ہو، میں نے جاب کے لئے اپلائی کیا تھا، اس سلسلے میں آئی تھی، بتایا تو تھا تمہیں۔''

''یعنی اب تمہیں دوبارہ بینک میں شوپیس بن کر بیٹھنا ہے۔'' شاہ میر نے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''میں نے تم سے جو کہا تھا، اس پر غور کرنے لے انا پر ضرب لگ رہی ہوگی۔''

''شاہ میر! بات انا کی نہیں ہے، تمہیں سمجھنا چاہیے کہ میں شاہ زیب کا سامنا کرنا ہی نہیں چاہتی، اکیڈمی تم دونوں کی ہے، وہ تمہاری وجہ سے مجبور ہو کر مجھے اپنی اکیڈمی میں برداشت کرے، یہ مجھے گوارہ نہیں، میں صرف مصروف رہنے کے لئے جاب کرنا چاہ رہی ہوں، ایسی جگہ کام نہیں کرنا چاہتی، جہاں میری وجہ سے کوئی ڈسٹرب ہو۔'' وہ سنجیدگی سے بولی تھی۔

''میں نے تمہیں پہلے ہی بتایا تھا کہ ہمیں اکیڈمی میں ایک ایسی شخصیت کی ضرورت ہے جو

میری اور شاہ زیب کی غیر موجودگی میں بھی اکیڈمی کے معاملات مینج کر سکے، میری نظر میں تم سے زیادہ اسٹرانگ پرسنیلٹی اس پوسٹ کے لئے اور کوئی نہیں اور تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ میں اس بارے میں شاہ زیب سے بات کر چکا ہوں، اسے بالکل کوئی اعتراض نہیں، یقین نہیں تو ابھی میرے ساتھ اکیڈمی چلو۔''

''تم نے واقعی شاہ زیب سے بات کر لی ہے؟'' شہرینہ دنگ ہوئی تھی۔

''بالکل، اکیڈمی میں واقعی ضرورت ہے تمہاری، ورنہ میں کیوں تمہیں فورس کرتا، اب فٹ یہ فیصلہ کرو اکیڈمی کو جوائن کب کر رہی ہو؟'' شاہ میر کی عجلت نے اسے کشمکش میں ڈالا تھا۔

''میں روز روز شرمندہ نہیں ہونا چاہتی، ٹھیک ہے بقول تمہارے اس کا دل صاف ہے میری طرف سے مگر پھر بھی، اگر اس نے کسی ناگواری کا اظہار کیا تو.....''

''ایسا بالکل نہیں ہے ورنہ میں کیوں تمہیں شرمندہ کروانے کے لئے یہ جاب آفر کرتا، اچھا ایسا کرو گھر جا کر اس بارے میں سوچو بزدلی کو ایک طرف ہٹا کر، پھر رات تک مجھے اپنے فیصلے سے آگاہ کر دینا۔''

''انکار مت کرنا بس۔'' شاہ میر کی تاکید پر وہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''ویسے دل بھر کے بے وفا ثابت ہوئی ہو، میں نے کال نہیں کی تو تم نے بھی زحمت نہیں کی، بندہ حال چال ہی پوچھ لیتا ہے۔''

''تمہارے حال چال کا پتہ ہے مجھے اس لئے زحمت نہیں کی۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی تھی۔

''تو نہ کرو زحمت، تم کون سا میری وہ ہو جو میں صدمے میں گرفتار ہو جاؤں گا۔'' اس کے خشمگیں لہجے پر وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔

''اگر تم ذرا دیر ٹھہرو تو میں تمہیں گھر تک ڈراپ کر دوں گا۔'' راست واچ پر نگاہ ڈالتا وہ بولا تھا۔

''اس کی ضرورت نہیں وہاں ٹیکسی میرا انتظار کر رہی ہے، تم جاؤ رات تک بتاتی ہوں تمہیں اکیڈمی جوائن کب کرنا ہے۔'' وہ آگے بڑھتی عجلت میں بولی تھی۔

''ایک منٹ رکو۔'' شاہ میر کی آواز پر وہ رکی تھی۔

''میں نے مذاق کیا تھا ورنہ تم بہت اچھی لگ رہی ہو، اسی طرح رہا کرو۔'' اس کے سنجیدہ سے لہجے اور مسکراتی گہری نظروں نے ایک پل کے لئے شہرینہ کو دنگ کیا مگر اگلے ہی پل وہ خدا حافظ کہہ کر نظریں چراتی ٹیکسی کی جانب بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

''دیکھو سو باتوں کی ایک بات، تم نے کوئی کنوینس نہیں کیا مجھے، شہرینہ کو اکیڈمی جوائن کروانے کے لئے تم نے مجھے دھمکیاں دی ہیں، کیونکہ اچانک تم اس کے مہربان دوست بن گئے ہو۔'' شاہ زیب نے کافی بیزاری سے کہا تھا۔

''اب جو بھی ہے، یہ میری عزت کا سوال ہے، وہ یہاں پہنچنے والی ہے اور تمہیں ہر حال میں گرمجوشی سے اس کا استقبال کرنا، ویسے بھی تم گزری باتوں پر مٹی تو ڈال ہی چکے ہو۔'' شاہ میر نے فوراً کہا تھا۔

''ہاں، میرے دل میں بھی اس کے خلاف کچھ نہیں ہے، مگر میں کسی ایسے انسان کو اپنی نظروں کے سامنے برداشت نہیں کر سکتا جس نے میرے ماں باپ کے لئے غلط الفاظ استعمال کیے ہوں، دوسری بات یہ کہ طروب کو بھی یہ سب ناگوار گزرے گا، وہ بھی یقیناً شہرینہ کا میرے اور

تمہارے ساتھ کام کرنے کے خلاف ہوگی۔"

"اب طروب کو یہ کون بتانے جارہا ہے کہ شہرینہ ہماری اکیڈمی جوائن کررہی ہے۔" شاہ میر زچ ہوکر بولا تھا۔

"میں موقع دیکھ کر طروب کو بتا دوں گا، ویسے بھی اس کا مستقبل مجھ سے وابستہ ہے، اسے سمجھانے اور راضی رکھنے کا کام میرا ہے۔" شاہ میر کے جتانے والے ذومعنی لہجے پر ناگواری کی ایک شدید لہر شاہ زیب کے دل میں اٹھی تھی لیکن اسے ضبط تو کرنا ہی تھا۔

"تم صرف میری خاطر، میری زبان کی خاطر شہرینہ کو ایک موقع دو، مجھے پورا یقین ہے کہ اب جو نئی شہرینہ میں نے دریافت کی ہے، اس سے مل کر تمہیں کوئی مایوسی نہیں ہوگی۔" شاہ میر کے اصرار پر اس نے ایک گہری سانس لی تھی۔

☆☆☆

نجل سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ شاہ میر کو دیکھ کر رہ گئی تھی جو گلاس ڈور اس کے لئے کھولتا بہت خوش دکھائی دے رہا تھا۔

"آیئے محترمہ! خوش آمدید۔" شاہ میر کے مسکراتے لہجے پر وہ جھجکتے ہوئے شاہ زیب کی طرف متوجہ ہوئی تھی جو اسے ہی دیکھتا محو تھا۔

ٹی پنک نازک سی سرخ البمر ائیڈری سے لیس کرتے میں سلیقے سے بڑا سا دوپٹہ شانوں پر سجائے پنک کلر کے ہی اسکارف کو خوبصورتی سے چہرے اور سر کے گرد لپیٹے میک اپ سے پاک سادہ چہرے میں وہ اگر شہرینہ تھی تو شاہ زیب واقعی پہلی نظر میں پہچان نہیں سکا تھا، شاہ میر اس کے دنگ تاثرات بھانپ کر کافی لطف اندوز ہوا تھا۔

"شاہ زیب! تم نے ان کو پہچانا نہیں؟"

شاہ میر کے مسکراتے لہجے پر وہ چونک کر دوبارہ شہرینہ کے شرمندہ تاثرات کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"نہ پہچاننے کا کیا سوال، بیٹھو شہرینہ، کیسی ہو تم، اور گھر میں سب کیسے ہیں؟" بہت نارمل انداز میں شاہ زیب نے مخاطب کیا تھا۔

"سب ٹھیک ہیں، طروب کیسی ہے؟" وہ بمشکل پوچھ سکی تھی۔

"طروب بھی اچھی ہے، بہت پیاری فرمانبردار بچی ہے، اب اس حال احوال سے آگے بڑھ کر اس مدعے پر آنا چاہیے جس کے لئے آپ میری دعوت قبول کرکے یہاں تشریف لائی ہیں۔" شاہ میر کے درمیان میں مداخلت کرنے پر وہ عجلت سے مسکرائی تھی۔

"شاہ نے بہت اچھا کیا تمہیں اکیڈمی جوائن کرنے کا مشورہ دے کر، مجھے یقین ہے کہ تم یہاں معاملات کو اچھی طرح سنبھال سکتی ہو۔" شاہ زیب نے کہا تھا۔

"دراصل میں تو شاہ میر کی بات مان کر ہی یہاں آئی ہوں۔" ایک بل کو رک کر شہرینہ نے شاہ میر کو دیکھا تھا۔

"نوازش۔" شاہ میر ضرورت سے زیادہ خوش ہوا تھا۔

"ورنہ مجھے نہیں لگتا کہ میں اتنی وسیع اکیڈمی کے لئے بہتر ثابت ہوسکتی ہوں۔" وہ ندامت بھرے لہجے میں بولی تھی۔

"کیوں نہیں، تم بالکل اس پوسٹ کے اہل ہو، تمہارے اندر اعتماد ہے حالات کو فیس کرنے کا، تم محنتی ہو، جس فیلڈ سے تم وابستہ رہی ہو، وہاں ہر کام میں پرفیکشن لازمی جز ہے، تمہارے لئے یہاں ایڈجسٹ ہونا بہت آسان ہے، پھر یہاں میں ہوں، شاہ میر ہے تمہارے ساتھ، باقی اسٹاف بھی بہت کوآپریٹو رہے گا تمہارے

ساتھ۔" شاہ زیب کے سنجیدہ اور حوصلہ افزا لہجے نے اس کے اعتماد کو بحال کیا تھا۔

"مجھے تو کام کرنے کی عادت ہے، اردگرد کا ماحول اور لوگ اچھے ہوں، یہی بہت، میں پوری کوشش کروں گی کہ تم دونوں کو میری طرف سے کوئی شکایت نہ ہو۔" شہرینہ نے ان دونوں کو ہی دیکھا تھا۔

"اچھی بات ہے، چلو میں تمہیں یہاں کا سروے کروا دوں، باقی اسٹاف سے بھی تعارف ہوتا رہے گا۔" شاہ زیب اپنی جگہ سے اٹھا تھا جبکہ شاہ میر نے حیرت سے شہرینہ کو دیکھا تھا جو بیک کندھے پر ڈالتی شاہ زیب کے ہمراہ ہولی تھی۔

"ارے رکو تو، میں بھی آرہا ہوں۔" شاہ میر اس طرح اکثر کیے جانے پر ہول کر ان دونوں کے پیچھے سرعت سے گیا تھا۔

☆☆☆

گیلے بالوں کو تاول سے آزاد کرتی وہ واش روم سے باہر نکلی چونک اٹھی تھی، کمرے کی فضا میں پھیلی بھینی بھینی سی مہک اور بیڈ پر رکھے فلاورز نے اسے دنگ کردیا تھا، اس میں تو کوئی شک نہیں رہ گیا تھا کہ گھر میں وہ تنہا نہیں۔

دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی وہ بیڈ کے قریب آئی تھی، چند لمحوں تک وہ حیران کیفیت میں ان سرخ گلابوں کو دیکھتی رہی تھی اور پھر ان کے درمیان رکھا خوبصورت سا کارڈ اٹھا کر کھولا تھا، نمایاں طور پر جگمگاتے سوری پر اس نے مسکراہٹ چھپاتے ہوئے کھلتے دروازے کی جانب دیکھا تھا، اپنی دلکش مسکراہٹ کے ساتھ وہ اس کی جانب بڑھ آیا تھا جو اس کی آنکھوں میں دیکھ نہیں سکی تھی۔

"مجھے پوری امید ہے کہ تم مجھ سے اب بالکل ناراض نہیں ہو۔" شاہ زیب نے اس کی جھکی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کی تھی۔

"پتہ ہے تمہیں بھی کہ تمہاری خاموشی اور ناراضی سے گھر کی رونق ختم ہوجاتی ہے اسی لئے تنگ کررہی ہو۔" اس کے ناراض لہجے پر طروب نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا تھا اور پھر بے ساختہ مسکرا اٹھی تھی۔

"پھول دے کر آپ نے میری ساری ناراضی ختم کردی ہے۔" وہ جھجکی تھی۔

"اور تمہارے نظر انداز کیے جانے پر میں جو مرجھا کر رہ گیا ہوں۔" وہ شکایت کررہا تھا۔

"کوئی نہیں، ان پھولوں سے بھی زیادہ فریش نظر آرہے ہیں۔" اس کے فوراً کہنے پر وہ حیرت سے اسے دیکھتا بے ساختہ ہنسا تھا۔

"تمہاری اس تعریف پر سر پکڑ کر بیٹھنے کا حق ہے مجھے مگر ٹائم کی کمی ہے اور ابھی تو تمہاری اس مسکراہٹ کی خوشی میں تمہیں شاپنگ کروانے بھی لے جانا ہے مجھے، لہٰذا فوراً تیار ہوکر باہر آؤ۔"

"مگر مجھے تو کسی چیز کی ضرورت نہیں۔" وہ حیران ہوئی تھی۔

"ضرورت نہیں ہے تو بھی چلو، یہ تو بس بہانہ ہے تمہارے ساتھ کچھ وقت باہر گزارنے کا، ویسے بھی تم گھر میں قید رہ کر کہیں آدم بیزار ہی نہ ہو جاؤ، صرف دس منٹ ہیں تمہارے پاس۔" اسے تاکید کرتا وہ کمرے سے نکلا تھا۔

اس کے لئے یہ سب کسی خواب سے کم نہیں تھا، کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ شاہ زیب کی اتنی توجہ اور اہمیت کا مرکز وہ بن جائے گی، شاہ میر کی موجودگی میں اس کے معنی خیز لہجے اور نظریں طروب کو سرشار کرنے کے لئے بہت تھیں، آج تو اس کا چہرہ بھی کھلا جارہا تھا، اسے یاد نہیں کہ شاہ زیب کی سنگت میں وہ کہاں کہاں سے گزری، شاہ زیب نے اس کے لئے کیا پسند کیا اس نے کیا

کچھ خریدا یا در ہا تو بس یہ کہ بہت قریب آ جانے والا یہ شخص اس کی وہ دعا بھی جسے اپنے لبوں تک لانے کے قابل بھی وہ خود کو نہیں سمجھتی تھی۔

ہوش تو اسے تب آیا جب ایک جیولری شاپ میں شاہ زیب نے اسے رنگ پسند کرنے کے لئے کہا تھا، وہ دنگ تھی مگر شاہ زیب کی آنکھوں میں دیکھنے کے بعد اسے نہ کوئی سوال کرنے کی ضرورت رہی نہ شاہ زیب کو کسی وضاحت کی۔

اس لمحے سارا خون سمٹ کر اس کے چہرے پر آ گیا تھا، جب کینڈل لائٹ ڈنر کے آغاز اور پرفسوں ماحول میں شاہ زیب نے بہت استحقاق سے وہ رنگ اس کی انگلی میں پہنا دی تھی، چند لمحوں تک وہ اس کی سونی انگلی میں جگمگاتی رنگ کو دیکھتا رہا تھا۔

"میں جانتا ہوں تمہیں اچانک اس سب پر حیرت ہو گی، شاید تم پریشان بھی ہو۔" وہ کافی سنبھل کر بولا تھا جبکہ طروب کو ہنسی آئی تھی اس کی سادگی پر۔

"لیکن میں کیا کروں، شاہ نے زچ کر رکھا ہے، خیر تم کھانا شروع کرو، کوئی تکلف نہیں۔" اس کی توجہ کھانے کی طرف دلاتا وہ موضوع بدل گیا تھا۔

"شاہ واقعی اپنا اپارٹمنٹ خرید رہے ہیں؟" کھانے کے دوران طروب نے ذکر چھیڑ دیا تھا۔

"ہاں، کیونکہ اب وہ شادی کرنے کے لئے پوری طرح سنجیدہ ہو رہا ہے، سنو اس نے تم سے تو کوئی ایسی ویسی بات نہیں کی، میرا مطلب ہے شادی کے لئے تمہاری رضا مندی کے سلسلے میں؟"

"نہیں، ان کو شاید یہ ڈر ہے کہ کہیں میں خفا نہ ہو جاؤں، ویسے بھی ان کو بھروسہ ہے کہ آپ اپنی زبان سے نہیں پھرتے۔"

"کتنے اطمینان سے یہ بات کہہ دی تم نے۔" شاہ زیب نے بات کاٹی تھی جبکہ اس کے اترے چہرے پر طروب بمشکل مسکراہٹ چھپا سکی تھی۔

"ایک بات کہوں۔" وہ یکدم سنجیدہ ہوا تھا۔

"شاہ میر مجھے بہت عزیز ہے، اس کے لئے میں اپنی ہر خوشی قربان کر سکتا ہوں، مگر تمہیں اس کے حوالے نہیں کر سکتا، چاہے وہ مجھ سے بدظن ہو کر میرا دشمن بھی بن جائے۔" اس کے قطعی لہجے پر طروب اسے دیکھتی ہی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

پہلی شفٹ کی آخری کلاس کے ساتھ ہی تمام اسٹوڈنٹس اور ٹیچرز جا چکے تھے، ایک گھنٹے کے وقفے کے بعد سیکنڈ شفٹ اسٹارٹ ہو جاتی تھی جس میں سیکنڈ شفٹ کے ٹیچرز اور اسٹوڈنٹس کی آمد رفعت شروع ہو جاتی تھی، اس وقت لیب کی پرسکون خاموشی میں وہ اسٹوڈنٹس کے بنائے گئے پروجیکٹس کے پیپرز دیکھ رہی تھی، یہی ایک گھنٹہ کچھ سکون سے بیٹھنے کے لئے ملتا تھا، جس میں وہ شاہ میر اور شاہ زیب کے ساتھ لنچ بھی کرتی تھی، اکیڈمی کے کچھ ملازمین کے علاوہ اب ایک وہی تھا جو صبح سے رات تک اکیڈمی میں موجود رہتی تھی، شاہ زیب کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ شہرینہ اتنی اچھی طرح یہاں کے انتظامات سنبھالے گی، اسے اور شاہ میر کو کسی نہ کسی کام سے اکیڈمی سے باہر جانا پڑ جاتا تھا، اب شہرینہ کی موجودگی میں ان دونوں کی ہی فکر نہیں ہوتی تھی، کلاسز کے شیڈول سے لے کر وہ اسٹوڈنٹس کے معاملات اور ایڈمیشن کے لئے آنے والوں کو بھی ڈیل کرتی تھی بس یہ تھا کہ دونوں شفٹوں میں اس کے ساتھ ایک ہیلپر موجود رہتی تھی، باقی میل، فی میل سب ہی ٹیچرز اس کی اہمیت سے آگاہ ہو چکے تھے، اس کی کسی بات سے اختلاف کرتے ہی نہ تھے، دوستانہ تعلقات اس کے کسی سے یہاں نہیں تھے، کچھ اس کی شخصیت اور انداز کا رعب و دبدبہ بھی تھا، اس کے آنے کے بعد اکیڈمی میں بہت نظم و ضبط آ گیا تھا، ایک تعلیمی ادارے کے جو قاعدے قوانین ہونے چاہئیں شہرینہ نے سب سے پہلے ان کا پابند سب کو کر دیا تھا، بس ایک اس کا رعب کسی پر قائم نہ ہو سکا تو وہ ظاہر ہے شاہ میر ہی ہو سکتا تھا، ٹیبل سے سامان سمیٹتی وہ ایک پل کے لئے شاہ میر کی طرف متوجہ ہوئی جو گلاس اور کولڈ ڈرنک اندر آ رہا تھا۔

"کہاں غائب تھے تم؟" وہ مصروف انداز میں پوچھ رہی تھی۔

"کہاں جانا ہے اور تمہارے حکم پر سیکنڈ فلور کے لیب میں سر کھپا رہا تھا دو گھنٹے سے۔" وہ بیزاری سے بولا تھا۔

"وہاں کے سوج بورڈ ٹھیک کیے؟ اور وہ جو کمپیوٹرز خراب تھے وہ۔"

"سب ہو گیا ٹھیک، میری گرینڈ ماں، جنش دو مجھے۔" شاہ میر نے جس طرح ہاتھ جوڑ کر ماتھے سے لگائے تھے وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔

"تھینک یو سوچ، دو دن سے اتنی پرابلم ہو رہی تھی وہاں کے اسٹوڈنٹس کو دوسری لیب میں ایڈجسٹ کروانے میں، ایک منٹ، یہ تمہارے چہرے کو کیا ہوا ہے طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟" شہرینہ اچانک چونکی تھی اس کی سرخ آنکھوں اور ستے ہوئے چہرے کو دیکھا تھا۔

"کہاں ٹھیک ہے طبیعت، فیور ہو رہا ہے رات سے، کوئی پوچھنے والا ہی نہیں مجھ مسکین کو۔" وہ چہرے پر مسکینیت طاری کیے بول رہا تھا جب لیب کا گلاس ڈور کھلا تھا۔

"تم نے گھر سے کھانا کیوں منگوایا شہرینہ؟" شاہ زیب اندر آتا بولا تھا۔

"آ گیا گھر سے کھانا، شاہ میر نے فرمائش کر رکھی تھی، اس لئے سوچا آج بریانی امی سے بنواؤں، لیکن مجھے پتہ نہیں تھا کہ آج ہی شاہ میر کی طبیعت خراب ہونی ہے۔"

"کیوں کیا ہوا تمہاری طبیعت کو؟" قریب آتے شاہ زیب نے اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

"بخار تو تیز لگ رہا ہے۔"

"میرے پاس تھرمامیٹر ہے ابھی پتہ چل جائے گا۔" شہرینہ اپنے بیگ سے تھرمامیٹر نکال کر تیزی سے واش بیسن کی طرف گئی تھی۔

"تم کم تھے جو ایک اور آ گئی نفسیاتی....."

شاہ میر کے بیزار لہجے پر مسکراتے ہوئے شاہ زیب نے اس کا بازو پکڑ کے کرسی پر بیٹھایا تھا اور پھر شہرینہ سے تھرمامیٹر لیا تھا۔

"ویسے معاف کرنا، میں دیکھ چکا ہوں کھانے میں کیا کیا ہے، گرم گرم خوشبو اڑاتی مٹن بریانی، رائتہ، اتنا سارا فروٹ ٹرائفل۔" شاہ زیب یقیناً شاہ میر کو سنا رہا تھا جس کے منہ میں تھرمامیٹر تھا کچھ بول نہیں سکتا تھا اگر اس کی آنکھیں ہی نہیں بھوک بھی چمک اٹھی تھی۔

"اور اٹالین سلاد بھی تو ہو گا، میں خود بنا کر آئی تھی۔" شہرینہ نے درمیان میں لقمہ دیا تھا اور تھرمامیٹر کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"میرے خدا! شاہ زیب اسے ایک سو تین بخار ہے۔" شہرینہ تشویش میں مبتلا ہوئی تھی۔

"ارے گولی مارو بخار کو، وہاں بریانی میرے انتظار میں ٹھنڈی ہو رہی ہے اور تم آ گئیں درمیان میں تھرمامیٹر لہراتیں۔" شہرینہ کو گھرک

کر وہ سرعت سے باہر جانا چاہتا تھا مگر شاہ زیب کی گرفت میں اس کا کالر آ گیا تھا۔

''چلو، آرام سے لیٹ جاؤ یہاں، بھول جاؤ بریانی، تم صرف دودھ اور بسکٹ پر گزارا کرو گے۔'' شاہ زیب نے اسے صوفے پر دھکیلا تھا۔

''کیوں پیارو کی ہائے لے رہے ہو، ایک پلیٹ ہی بریانی دے دو ورنہ بد دعا دے دوں گا۔'' شاہ میر کی دھمکی پر کھانا ٹیبل پر لگاتی شہرینہ ہنسی تھی۔

ٹیبلٹس کھا کر بھی شاہ میر نے آنکھیں بند کرنے کا نام نہیں لیا تھا، اس کا صدمہ بجا تھا، اپنے حصے کی بریانی بھی ان دونوں کو کھاتے دیکھنا اس سے برداشت کیسے ہو سکتا تھا، شاہ زیب اور شاہ میر کی نوک جھونک کے درمیان اچھا وقت گزرا، سیکنڈ شفٹ کا ٹائم جلد شروع ہو گیا، شاہ میر تب تک ٹیبلٹس کے زیر اثر سو چکا تھا، پردے پھیلا کر شہرینہ آفس سے نکلی تو باہر موجود پیون کو اس نے سختی سے تاکید کر دی تھی کہ شاہ زیب کے علاوہ کسی کو آفس میں نہ جانے دے، معمول کی مصروفیت کے دوران اسے جب جب موقع ملا وہ ایک نظر شاہ میر کو دیکھنے آتی رہی تھی، ہر بار وہ اسے بے سدھ سوتا ہوا ہی نظر آیا تھا۔

اکیڈمی آف ہونے کا وقت قریب تھا، فراغت ملتے ہی وہ رسٹ واچ پر نظر ڈالتی آفس میں آئی تھی، پردہ ہٹا کر اس نے ذرا جھانکا تو شاہ میر چھت کو دیکھتا کسی سوچ میں گم نظر آیا تھا۔

''اب کیسی طبیعت ہے؟'' شہرینہ نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا اور پھر پردے ایک طرف سمیٹ کر سینٹرل ٹیبل کے کنارے آ بیٹھی تھی جبکہ صوفے کے بازو پر سر رکھے شاہ میر خاموشی سے اسے دیکھتا رہا تھا۔

''کس سوچ میں گم تھے؟ خیریت ہے سب؟''

''سوچ تو رہا تھا، کیا سوچ رہا تھا اگر یہ بتاؤں تو یقین کرو گی؟'' اس کے عجیب سے لہجے پر شہرینہ چونکی تھی۔

''میرا خیال ہے نہ بتاؤ تو اچھا ہے، ہر سوچ شیئر نہیں کی جاتی۔'' دامن بچانے والے انداز میں بولتی وہ اٹھ کر جانا چاہتی تھی مگر اس سے پہلے ہی شاہ میر سرعت سے اس کا ہاتھ پکڑتا اٹھ بیٹھا تھا۔

''تم ہوش میں تو ہو؟'' ناگواری سے شہرینہ نے اپنا ہاتھ چھڑایا تھا۔

''ایم سوری، لیکن میں چاہتا ہوں تم میری بات سنے بغیر نہ جاؤ۔'' وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔

''میں جس کے بارے میں سوچ رہا ہوں، اس سے شیئر تو کیا جا سکتا ہے۔'' اس کے کہنے پر شہرینہ نے گہری سانس لے کر اسے دیکھا تھا۔

''یہ سچ ہے میں تمہارے بارے میں سوچنے لگا ہوں۔'' شاہ میر کے گمبھیر مدھم لہجے پر وہ کچھ بول نہیں سکی تھی، دوسری جانب اس کے چہرے سے نظر ہٹا کر بالوں میں انگلیاں پھیرتا وہ صوفے سے اٹھا تھا۔

''کل کچھ وقت نکالو میرے لئے، تمہیں کچھ دکھانا ہے اور کچھ ضروری باتیں بھی کرنی ہیں۔'' نظر اٹھا کر شہرینہ نے واش روم کے بند ہوتے دروازے کو دیکھا تھا۔

ایسا نہیں تھا کہ وہ انجان تھی مگر انجان رہنے کی کوشش ضرور کر رہی تھی، گزرتے دنوں کے ساتھ ساتھ شاہ زیب اور اس کے درمیان تکلف کی حد قائم تھی اور اسی حد میں ہی عافیت تھی، وہ بہت ممنون تھی کہ شاہ زیب نے ماضی کی کسی تلخی کے حوالے سے ایک لفظ تک نہ کہا تھا، اکیڈمی کے معاملات اور خیر خیریت کے علاوہ اس کے اور

شاہ زیب کے درمیان کوئی بات نہ ہوتی تھی، لیکن شاہ میر اور اس کے درمیان بے جا تکلف کی کوئی دیوار نہیں رہی تھی اس کی اہم وجہ شاہ میر کی فطرت ہی تھی، یہاں شاہ زیب سے زیادہ شاہ میر سے اسے بہت ڈھارس ملی تھی، وہ اس کا خیال بھی زیادہ رکھتا تھا، وہ محسوس کر رہی تھی کہ شاہ میر اور اس کے درمیان کچھ ایسا ہے جو ہر گزرتے دن کے ساتھ مضبوط ہوتا جا رہا ہے، شاید اسی لئے شاہ میر کی کوئی ذومعنی بات یا گہری نظر اسے کبھی جھنجھلاہٹ میں مبتلا نہیں کرتی تھی، اکیڈمی کے تھکا دینے والے دن کے اختتام کے بعد جب وہ گھر میں سکون سے سونا چاہتی تو اسے میں شاہ میر کی کال اسے کبھی کوفت میں مبتلا نہیں کرتی تھی، سچ تو یہ تھا کہ اس سے بات کر کے تھکن ختم ہو جایا کرتی تھی، تشویش تب شروع ہوئی جب وہ محسوس کرنے لگی کہ شاہ میر اور اس کے درمیان جو تعلق ہے وہ کسی اور سمت جا رہا ہے، اس بارے میں سوچنے سے ہی اسے وحشت ہو رہی تھی۔

☆☆☆

لاؤنج میں آتے ہوئے اس نے رک کر دیکھا تھا، شاہ میر ٹیبل سے ٹیک لگائے چائے پی رہا تھا مگر اس کے قریب موجود طروب ایک گھنٹہ گزر جانے کے باوجود ایک ہاتھ سے شاہ میر کا سر دبانی دوسرے ہاتھ میں موجود اخبار کے مطالعے میں مصروف تھی۔

''شاہ میر سو چکا ہے۔'' خاموشی میں ابھرتی خنک آواز پر طروب نے چونک کر سر اٹھایا تھا۔

''جی ہاں، سو رہے ہیں۔''

''میں نے تم سے پوچھا نہیں ہے، بتا رہا ہوں تمہیں۔'' شاہ زیب کے دبے دبے مگر گھرکنے والے لہجے اور کڑی نظروں پر طروب کا رنگ فق ہوا تھا۔

''لیکن تم چاہو تو شوق سے بیٹھی رہو ساری رات سر ہانے۔'' ہلکی آواز مگر غصیلے لہجے میں بول کر وہ سلگتی نظریں اس پر سے ہٹاتا ٹیرس کی سمت بڑھ گیا تھا، طروب بس چند لمحے تذبذب میں رہی مگر پھر خفت کے باوجود اس کے پاس جانے سے خود کو روک نہیں سکی تھی، آج صبح ہونے والی بارش نے سردی میں اضافہ کر دیا تھا، ہوا نہیں تھی مگر خنکی نے جھرجھری لینے پر مجبور کر دیا تھا۔

''میں تو بس ان کے گہری نیند سو جانے کی ہی منتظر تھی، اسی لئے وہاں موجود رہی، کہ مجھے لگ رہا تھا، آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں مجھ سے۔'' اس کے مدھم لہجے پر شاہ زیب نے اسے دیکھا تھا۔

''کچھ نہیں کہنا مجھے، تم بس دل بھر کر مجھے اگنور کرو، تمہیں ہر بات شاہ میر سے کرنی ہوتی ہے، اسے ہی مخاطب کرنا یاد رہتا ہے تمہیں، کیا میں محسوس نہیں کر سکتا کہ مجھ سے ہی فاصلہ رکھا جاتا ہے، میری بے قدری کا بدلہ تم اب مجھے اگنور کر کے لے رہی ہو۔'' دنگ نظروں سے طروب اسے دیکھتی رہ گئی تھی جو پھٹ پڑا تھا۔

''سارا دن باہر گزار کر میں گھر میں اس لئے نہیں آتا ہوں کہ تمہیں شاہ میر کے آگے پیچھے گھومتا دیکھتا رہوں احمقوں کی طرح۔''

''آپ کو مجھ پر بھروسہ نہیں ہے؟'' اس کے لرزتے لہجے پر شاہ زیب کچھ بول نہیں سکا تھا۔

''جس کے لئے دل میں محبت ہو، عقیدت ہو اس کے سامنے تو نگاہ تک اٹھانے کا حوصلہ نہیں ہوتا اور آپ مخاطب کرنے کی بات کرتے ہیں، قربت کی بات کرتے ہیں، کمال کرتے ہیں۔'' دو موتی اس کی جھکی پلکوں سے پھسل کر عارض پر چمک اٹھے تھے، ٹھٹھرتی سی چاندنی میں اس کے کانپتے لبوں سے سسکتے جملے شاہ زیب کو دم بخود کر گئے تھے، بے اختیار اس نے طروب کے معصوم

سے آزردہ چہرے کو اپنے ہاتھوں کے پیالے میں دھیرے سے بھر لیا تھا۔

"یہ کیسے سوچا تم نے کہ مجھے تم پر بھروسہ نہیں؟ مجھے تو تم اپنے وجود، اپنی روح کا حصہ لگتی ہو، سارے حق تمہیں سونپے ہیں اور تم بھروسہ نہ ہونے کی بات کرتی ہو، کمال کرتی ہو، کیا مجھے حق نہیں تم سے شکایت کرنے کا؟" بوجھل لہجے میں بولتے ہوئے وہ اس کی بھنورا آنکھوں میں تیرتی نمی کو دیکھے گیا تھا۔

"آپ سزا پہلے دے دیتے ہیں شکایت بعد میں کرتے ہیں۔" پلکیں جھکائی وہ شکایت کر رہی تھی۔

"تم میرے سوا کہیں اور توجہ دو، میرے سوا کسی اور سے بات کرو، میرے سوا کسی اور کو مسکرا کر دیکھو، یہ سب جلا کر راکھ کر دیتا ہے مجھے، اسی لئے غصے میں بے سوچے سمجھے بول جاتا ہوں، مگر تم یہ سب نہیں سمجھو گی، جاؤ جا کر سو جاؤ۔" بجھے لہجے میں بولتا وہ رخ موڑ گیا تھا، گہری سانس لے کر بالوں میں ہاتھ رکھتے ہوئے طروب نے اسے دیکھا تھا جو کارنر ایریا کی جانب دیکھتا جانے کہاں گم تھا۔

"آپ کو یہ لگتا ہے کہ آپ کو اس طرح پریشان دیکھنے کے بعد بھی میں سکون سے سو سکتی ہوں؟"

"شاہ میر بچی جان کے پاس جانا چاہتا ہے کچھ دن کے لئے، مس کر رہا ہے وہ اپنے گھر والوں کو، دو سال گزر چکے ہیں ان سب سے ملے ہوئے اسے۔" شاہ زیب نے جواباً یہ کہا تھا۔

"واقعی؟ مجھ سے تو ذکر نہیں کیا شاہ نے اب تک۔" طروب حیرانی سے بولی تھی۔

"آپ ان کے جانے کی وجہ سے پریشان ہیں؟"

"نہیں، وہ اپنی شادی کے سلسلے میں بات کرنے جا رہا ہے، اسے پورا یقین ہے کہ میں تمہیں راضی کر لوں گا شادی کے لئے۔" اس کے بے بس لہجے اور چہرے کے تاثرات پر طروب بہت مشکل سے اپنی اٹھتی ہنسی کو روک سکی تھی۔

"کیا انہوں نے صاف طور پر آپ سے کہا ہے کہ وہ میرے بارے میں اپنی امی اور بھائی سے بات کرنے جا رہے ہیں؟"

"نہیں مگر میں یہ جانتا ہوں، اسے صاف صاف اور کیا کہنے کی ضرورت ہے۔"

"تو پھر آپ کو ان سے بات کرنے کی ضرورت ہے، آپ ان سے کہہ دیں کہ آپ امی اور ابو کی دعوت پر مل کریں گے۔" طروب نے قطعی انداز میں فیصلہ سنایا تھا۔

"جو کچھ میں اس سے کہہ چکا ہوں اس کے بعد یہ بات دوٹوک انداز میں کرنا آسان نہیں۔" وہ بولا تھا۔

"آپ کو یہ کرنا ہی ہوگا، آپ کی پریشانی کا حل آپ کے پاس ہی ہے۔" اس کے کچھ جھلائے انداز پر شاہ زیب نے ناراضی سے اسے دیکھا تھا۔

"میرے لئے اپنی کہی بات سے پھرنا بہت مشکل ہے، میں نے اسے زبان دی ہے طروب۔"

"تو پھر ٹھیک ہے اپنی کہی بات کا بھرم قائم رکھنے کے لئے جہاں ماضی میں آپ نے بہت نقصان اٹھائے تو اب بھی اپنی زبان کی پاسداری کے لئے آپ کر دیں مجھ شاہ کے حوالے۔" وہ سلگتے لہجے میں بولی تھی۔

"تم حواسوں میں ہو یا نہیں؟" شاہ زیب نے ناگواری سے اسے دیکھا تھا جو لب بھینچے جانے کے لئے پلٹ گئی تھی شاہ زیب کے

پکارنے پر بھی نہیں رکی تھی۔

☆☆☆

موسم ابر آلود تھا، ایسا گمان تھا کہ کسی بھی لمحے بادل برس جائیں گے، ایسے میں دور ٹھاٹھیں مارتے سمندر کا منظر بہت دلکش تھا، نیپرس کی بالکونی پر کہنیاں ٹکائے وہ اسی منظر میں گم تھا کہ شہرینہ وہاں چلی آئی تھی۔

"بہت مبارک ہو، بہت زبردست لوکیشن ہے یہاں کی، میری دعا ہے ایسے دس گھر ہوں تمہارے۔" اس کی طرف آتی وہ بولی تھی۔

"ایسی دعا بھی نہ دو، دس گھر سنبھالنے کے لئے دس گھر والیاں کہاں سے لاؤں گا۔" شاہ میر کے ٹوکنے پر وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔

"تمہیں برا تو نہیں لگا، میری وجہ سے تمہیں شاہ زیب سے غلط بیانی کر کے یہاں آنا پڑا؟" سرخ اسکارف میں قید اس کے صاف شفاف چہرے کو بغور دیکھتا وہ پوچھ رہا تھا۔

"بالکل نہیں، لیکن اگر تم مجھے بتا دیتے کہ تم اپنا گھر دکھانے کے لئے لے جانا چاہتے ہو تو میں شاہ زیب کو سچ بتا دیتی، آخر اس میں چھپانے والی بات کیا تھی؟" شہرینہ نے سوال بھی کیا تھا۔

"دراصل شاہ زیب اور طروب دونوں کو ابھی یہ معلوم نہیں کہ میں گھر فائنل کر چکا ہوں، سچ تو یہ ہے کہ میں چاہتا تھا اس گھر میں سب سے پہلا قدم تم رکھو۔" اس کے گہرے سنجیدہ لہجے پر شہرینہ نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"کیا اب بھی اس میں حیران ہونے کی کوئی وجہ ہے؟" اس کی حیرت کو بھانپ کر وہ بولا تھا جبکہ شہرینہ نظر چرا گئی تھی۔

"میں کوئی تمہید نہیں باندھوں گا، سیدھی بات کروں گا، کچھ دنوں میں ہی میں باہر جا رہا ہوں، امی اور بھائی سے اپنی شادی کے بارے میں بات کرنے، کچھ ہیلتھ پرابلم کی وجہ سے امی اور اپنی جاب کی وجہ سے بھائی کا یہاں آ جانا ممکن نہیں جبکہ میں شادی کا فیصلہ کر چکا ہوں، مگر ان دونوں سے کوئی بات کرنے سے پہلے مجھے تمہاری رضامندی چاہیے۔" اس کے صاف گو انداز پر شہرینہ فوری طور پر کچھ بول نہیں سکی تھی۔

"کچھ کہو گی نہیں؟" اس کی خاموشی پر وہ پوچھ رہا تھا۔

"پتہ نہیں تم نے میرے لئے اس حد تک کیسے سوچ لیا، سچ کہوں تو مجھے یہ سب بہت عجیب لگ رہا ہے، شاید مجھے یہ سوچنا بھی ٹھیک نہیں لگے گا کیونکہ تم میرے ماضی سے واقف ہو، پانچ سال تک میرا ایک تعلق رہا ہے اس انسان سے جو تمہارے بہت قریب ہے، جس سے تم کبھی الگ نہیں ہو سکتے، جو سچ آج تمہارے لئے بے معنی ہے، آگے جا کر وہ تمہاری انا پر ضرب بن کر دن رات لگتا رہا تو کیا کرو گے؟ میں تمہارے جذبے اور فیصلے کی قدر کرتی ہوں مگر میرا پر خلوص مشورہ یہی ہے کہ ایسا کوئی قدم نہ اٹھاؤ جو تمہیں شاہ زیب سے بدظن کر دے، ہو سکتا ہے شاہ زیب تمہارے اس فیصلے کو سن کر ہی تم سے بدظن ہو جائے، کسی نئے رشتے کو بنانے کے لئے پرانے رشتوں کو خطرے میں نہیں ڈالنا چاہیے۔" بات مکمل کر کے شہرینہ نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا تھا جو بغور اس کی طرف متوجہ تھا۔

"بس یہی خدشات ہیں تمہارے دل میں یا اور بھی وجوہات ہیں حقیقت سے نگاہ چرانے کے لئے؟"

"کیسی حقیقت؟" وہ بولی تھی۔

"بتاتا ہوں، پہلے تو تم یہ ذہن نشین کر لو کہ مجھے تمہارے ماضی سے کوئی سروکار نہیں، تمہارے اور شاہ زیب کے درمیان بس ایک نام نہاد تعلق

تھا جس کی اگر کوئی حقیقت ہوتی تو نہ آج وہ تمہاری طرف دیکھنے کا روادار ہوتا نہ تم اس کا چہرہ دیکھنا چاہتیں، مجھے اس دن تم پر بہت بھروسہ اور یقین ہو گیا جب تم نے اپنی زندگی کے سچ میرے سامنے بیان کیے، دل میں تمہاری عزت مزید بڑھ گئی جب سب کچھ ختم ہونے کے بعد بھی شاہ زیب نے تمہارے کردار کے پاک صاف ہونے کی گواہی دی، ٹھیک ہے اس دنیا میں ہر انسان آگے بڑھنے کے لئے راستے ڈھونڈتا ہے اس میں کچھ غلطیاں بھی سرزد ہو جاتی ہیں جو کہ تم سے بھی ہوئیں مگر تم نے کسی کو ناقابل تلافی نقصان میں مبتلا نہیں کیا، یہی وجہ ہے کہ شاہ زیب آج بھی تمہاری عزت کرتا ہے اور وہ ہمیشہ کرے گا کیونکہ دل میں کینہ رکھنے والا وہ انسان نہیں ہے، نہ ہی میرے دل میں شاہ زیب یا تمہارے لئے کوئی بغض یا شک ہے، سب کچھ میری نظروں کے سامنے ہے، مجھے تم پر مکمل بھروسہ ہے اسی لئے آج ہم تینوں ایک ساتھ کام کر رہے ہیں، بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ ہم تینوں کو ایک دوسرے پر بھروسہ ہے، شاید بات بہت طویل ہو جائے مگر میں آخر میں بس اتنا ہی کہوں گا کہ آج کی حقیقت یہی ہے کہ ہم اور تم ایک دوسرے کو جانتے ہیں، سمجھتے ہیں، ایک دوسرے کی پرواہ رکھتے ہیں، سب سے بڑھ کر تم مجھ پر اعتبار کرتی ہو اس لئے یہاں تنہائی میں میرے ساتھ موجود ہو اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ہم دونوں ایک ساتھ بہت اچھے لگتے ہیں یہ دنیا کو بھی نظر آنا چاہیے۔" اس کی مسکراتی نظروں پر شہرینہ نے نگاہ جھکائی تھی۔

"تمہاری کیا رائے ہے؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"پتہ نہیں، مجھے کیا کہنا چاہیے۔" نظر جھکائے وہ تذبذب کا ہی شکار نظر آئی تھی۔

"میں سمجھ سکتا ہوں کہ ابھی کچھ بھی کہنا تمہارے لئے دشوار ہے، مجھے بھی کوئی جلدی نہیں، میں پندرہ دن کے لئے جا رہا ہوں، وہاں پہنچ کر ہی کسی دن تم سے اس بارے میں کوئی سوال کروں گا، تب تک تم ہر طرح سے سوچ لو، تمہارا ہر جواب مجھے منظور ہو گا، زبردستی کا قائل بھی نہیں۔"

"اب یہ بات کہہ کر شرمندہ تو مت کرو۔" شہرینہ نے کچھ خفگی سے ٹوکا تھا۔

"میں ایسا بالکل نہیں کر رہا، بلکہ میں تو تمہیں اس خوشی کے موقع پر خوش دیکھنا چاہتا ہوں، اپنی محنت سے میں نے یہ گھر حاصل کیا ہے اور اس میں پہلا قدم اس ہستی نے رکھا جسے میں یہاں صبح شام اپنی نظر کے سامنے دیکھنا چاہتا ہوں، زیادہ خوشی کی بات یہ ہے کہ میں نے تمہیں پرپوز کرنے کا سوچ کر انجام دے دیا ہے مگر افسوس کہ اس خوشی کے موقع پر منہ میٹھا کرنے کے لئے میرے پاس کچھ بھی نہیں، لیکن مجھے یقین ہے کہ تمہارے بیگ میں چاکلیٹس موجود ہوں گی۔"

"مطلب، آج مجھ سے چاکلیٹس ہتھیانے کا تمہیں کوئی بہانہ نہیں ملا تو پرپوز کر دیا۔" شہرینہ نے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بیگ کھولا تھا۔

"کاش تمہاری اس بات میں کوئی سچائی ہوتی۔" شرارتی نظروں سے شاہ میر نے اسے دیکھا تھا۔

"ہمیں اب واپس جانا چاہیے، میں نے صرف ایک گھنٹے کے لئے اکیڈمی سے فری ہونے کی اجازت لی تھی شاہ زیب سے۔" رسٹ واچ پر نظر ڈالتی وہ عجلت میں بولی تھی۔

"یہ کیا، کس دل سے چاکلیٹ دی ہے تم

نے، اس میں تو ذرا بھی مٹھاس نہیں۔" پہلا بائٹ لے کر شاہ میر حیرت سے بولتا اسے بھی حیران کر گیا تھا۔

"ادھر دو ذرا۔" شہرینہ نے اس سے چاکلیٹس لے کر ذرا چکھا تھا۔

"مٹھاس ہے تو۔" شہرینہ نے بتاتے ہوئے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"اچھا پھر دو ذرا۔" اب کہ شاہ میر نے چاکلیٹ واپس لے کر دوبارہ ایک بائٹ لیا تھا۔

"اب تو بہت مٹھاس آ گئی ہے اس میں۔" مسکراتی نظروں سے شاہ میر نے اسے دیکھا تھا، جس کی حیرت گڑبڑاہٹ میں بدل گئی تھی، وہ دھیرے سے ہنسا تھا جبکہ شہرینہ سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ نظر چراتی واپس جانے کے لئے پلٹ گئی تھی۔

☆☆☆

کچن کی طرف آتا وہ بری طرح ٹھٹکا تھا، اگلے ہی پل اس کے چہرے کے تاثرات تن گئے تھے۔

"بس کچھ دنوں کی تو بات ہے، واپس تو مجھے یہیں آنا ہے، اس طرح روتی نظر آؤں گی تو میں کیسے جا سکوں گا احمق لڑکی۔" سامنے ہی شاہ میر اسے دلاسا دیتا نظر آیا تھا جو اس کے سینے سے سر ٹکائے رو رہی تھی۔

"شاہ زیب! تم ہی سمجھاؤ اسے، میں ہمیشہ کے لئے تو ملک چھوڑ کر نہیں جا رہا۔" اس پر نظر پڑتے ہی شاہ میر نے مدد مانگی تھی۔

"تم سمجھاؤ تو اچھا ہے، ویسے بھی تمہاری بات اس کو زیادہ سمجھ آتی ہے۔" شاہ زیب کے سرد لہجے کو محسوس کرتے ہوئے طروب آنکھیں خشک کرتی چہرہ دوسری طرف موڑ گئی تھی۔

"اور کیا..... میں ہوں ہی اتنا اچھا، کیوں طروب؟" شاہ میر نے فخر سے مسکراتے ہوئے طروب کو دیکھا تھا جبکہ شاہ زیب ناگواری ضبط کیے کچن میں چلا گیا تھا۔

"اب یہ مکمل لائن پر آ چکا ہے، دیکھا تم نے کتنا جیلس ہو جاتا ہے یہ۔" شاہ میر نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"ان کے پاس اور کام ہی کیا ہے۔" طروب کے ناگواری سے کہنے پر وہ قہقہہ لگا کر ہنسا تھا، کچن میں موجود شاہ زیب کو کوئی چیز اپنے اندر بھڑکتی محسوس ہو رہی تھی جو ٹھنڈا یخ پانی پینے کے باوجود بجھنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

☆☆☆

شام سے رات ہو چکی تھی، ضبط کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا، لاؤنج میں ہنستے ہوئے اس نے وال کلاک کی سمت دیکھا تو رگوں میں کھولتا لہو مزید ابلنے لگا تھا، کل شاہ میر کی فلائٹ تھی، آج کا ہی دن تھا شاپنگ کے لئے اور دن بھی چھٹی کا تھا، شاہ میر نے اسے ساتھ چلنے کے لئے کہا تھا مگر وہ انکار کر گیا تھا، جانتا تھا کہ یہ شاپنگ کافی تھکا دینے والی ہو گی اور ویسے بھی وہ گھر میں ہی وقت گزارنے کے موڈ میں تھا، شاید ساتھ نہ جانے کی ایک وجہ طروب بھی تھی، جو اب تک ناراض ہی تھی، ایک دبی دبی سی کوشش کی تھی شاہ زیب نے اسے منانے کی اس سے بات کرنے کی مگر طروب نے شاید مکمل نظر انداز کیے رکھنے کی قسم اٹھائی ہوئی تھی، شاہ زیب بس شاہ میر کے چلے جانے کے انتظار میں ہی تھا۔

یہ تو طے تھا کہ اس طرح نظر انداز کیے جانے پر وہ خود بھی طروب سے سخت ناراض تھا۔

وال کلاک میں بارہ بج چکے تھے جب کال بیل گونجی تھی، چند لمحوں تک اپنے غصے کو کنٹرول کرنے کی کوشش کے بعد اس نے گیٹ کھولا تو

سامنے ہی ڈھیروں شاپرز سنبھالے طروب کے چہرے پر تھکن نمایاں تھی، شاہ زیب کے تنے ہوئے تاثرات سے نگاہ چرائی وہ رکے بغیر لاؤنج کی طرف آگئی تھی۔

''ایم سوری، صرف آج کا ہی دن تھا اور شاہ کو اتنی چیزیں خریدنی تھیں، چچی جان نے لسٹ بھی اتنی طویل بھیجی تھی، آپ نے کھانا بھی نہیں کھایا ہوگا اب تک، شاہ مجھے ڈراپ کر کے واپس گئے ہیں باہر سے کھانا لینے، یہاں پہنچ کر یاد آیا تھا مجھے کہ.....''

''کس نے وضاحت مانگی ہے تم سے؟''

شاہ زیب کے سرد لہجے پر وہ شاپرز صوفے پر گرتی اسے دیکھ کر رہ گئی تھی جو جواب کا انتظار کیے بغیر وہ اس کے سامنے سے ہٹ گیا تھا۔

ایک پل کو رک کر طروب نے اپنے ہاتھ میں موجود لیدر کی جیکٹ کو دیکھا تھا جو اس نے خاص طور پر شاہ زیب کے لئے خریدی تھی، اندازہ تھا اس کی ناراضی کا اس لئے کافی سنبھل کر آگے بڑھتی تھی، ٹیرس کی باؤنڈری پر بازو ٹکائے وہ بس ایک پل کے لئے طروب کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

''یہ جیکٹ میں آپ کے لئے لائی ہوں۔''

''نہیں چاہیے مجھے پلیز، بہتر ہی تم شاہ کو دے دو تو بہتر ہے۔'' اس کے جھلتے لہجے پر طروب گنگ ہوگئی تھی۔

''جب تم میرے حصے کی نظر، میرے حصے کی مسکراہٹ، وقت اور جذبے بھی اسے دے سکتی ہو تو یہ تحفہ بھی اسے ہی پیش کر دو۔''

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔'' طروب کی آواز کانپ اٹھی تھی رنگ فق تھا۔

''حقیقت بیان کر رہا ہوں، میرا وجود ہونا نہ ہونا تمہارے لئے کوئی معنی نہیں رکھتا، بس ایک شاہ میرے اس گھر میں جس کے علاوہ تمہیں کوئی انسان نظر نہیں آتا، ساری بے رخی، بے اعتنائی میرے لئے ہے، میں احمق نظر آتا ہوں تمہیں، میں جس قدر جھک رہا ہوں، اسی قدر تم نے مجھے نظر انداز کر کے دو کوڑی کا بنا دیا ہے۔'' وہ بری طرح بکھرتا اشتعال میں بولتا چار ہا تھا۔

پانیوں لے لبریز ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھتی طروب بس ساکت تھی۔

''میں اتنے گھنٹوں سے انتظار کر رہا ہوں یہاں مگر تمہیں اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ ایک کال کر لیتیں تم، مگر تم ایسا کیوں کر سکتی تھیں، تمہیں جس کی پروا ہے، وہ تو تمہارے ساتھ ساتھ تھا، اب بھی وقت ہے تمہارے پاس، فیصلہ کر لو کہ تم کرنا کیا چاہتی ہو، شاہ بغیر کسی وجہ کے اتنے یقین سے تمہارے بارے میں اپنی ماں سے بات کرنے نہیں جا رہا، مجھے اندھیرے میں مت رکھو، مت دھول جھونکو میری آنکھوں میں.....'' اس کے غضبناک تاثرات اور دھاڑتے لہجے پر طروب کو اپنے پیروں تلے سے زمین سرکتی محسوس ہوئی تھی، لرزتے قدموں سے وہ پیچھے ہوئی، چلی گئی تھی۔

''میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آپ مجھ پر ایسا شک کریں گے، آپ کی تنگ نظری نے مجھے میری نظروں میں گرا دیا ہے، نفرت محسوس ہو رہی ہے مجھے آپ سے۔'' بہتے آنسوؤں کے ساتھ وہ چیخی تھی اور پلٹ کر بھاگتی ہوئی ٹیرس سے نکل گئی تھی، سناٹے میں گھرے شاہ زیب کی نظریں فرش پر گری جیکٹ پر ساکت تھیں، طروب کا آخری جملہ بہت بھاری تھا، جس کے بوجھ تلے اسے اپنا وجود شل ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

☆☆☆

مجھ کو ڈھونڈ لیتا ہے نت نئے بہانے سے
ہر درد ہو گیا واقف میرے ہر ٹھکانے سے

کھلی کھڑکی سے ہوا کے خنک اس کے چہرے پر بنتی جا رہی تھیں، رات کا اندھیرا ہر طرف پھیلا ہوا تھا، دروازے پر ہلکی سی مدھم دستک پر سرعت سے چہرہ خشک کرتی وہ اٹھی تھی، لائٹ اس نے پہلے سے ہی آف کر دی تھی، احتیاط سے وہ کھڑکی بند کرتی دبے قدموں بیڈ پر آگئی، تکیے پر سر رکھتے ہوئے اس کا رخ دروازے کی ہی سمت تھا، آنکھوں سے ہاتھ ہٹا کر وہ مندی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی، کچھ توقف کے بعد دستک دوبارہ ہوئی تھی اور پھر خاموشی چھا گئی، جب اسے یقین ہو گیا کہ باہر کوئی موجود نہیں اسی لئے اس کے دل کی دھڑکن رک گئی تھی۔

دھیرے سے دروازہ کھلتا وہ اندر داخل ہوا تھا، نائٹ بلب کی سرخ خوابناک روشنی میں بیڈ کی سمت دیکھتے ہوئے وہ چند لمحوں کے لئے رکا رہا تھا۔

''اس جسارت کے لئے معذرت خواہ ہوں طروب۔'' قریب آتی جاتی مدھم گمبھیر آواز سنتے ہوئے بند آنکھوں کے ساتھ طروب کے اپنا دم گھٹتا محسوس ہوا تھا، بیڈ کے قریب ہی وہ نیچے بیٹھ گیا تھا۔

''میں جانتا ہوں تم جاگ رہی ہو، میری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی ہو، میں نے بہت تکلیف پہنچائی ہے تمہیں، بہت گستاخی کی، بے وجہ الزام لگایا تم پر مگر.....'' شدید تاسف سے کہتا وہ رکا اور پھر دھیرے سے اس کی آنکھوں پر رکھا ہاتھ ہٹا کر اپنی گرفت میں لے لیا تھا، طروب کی پلکوں کی کپکپی پلکوں نے اسے مزید شرمساری میں مبتلا کر دیا تھا۔

''مگر میں کیا کروں طروب، میں ہمت نہیں کر پا رہا شاہ میرے سب کچھ صاف کہنے کی، وہ بہت پیارا ہے مجھے، بچپن سے میرے دکھ سکھ کا ساتھی ہے، میں اس کے دل کو ٹھیس نہیں پہنچا سکتا مگر تمہارے دل کو تکلیف دے دی، بہت برا اور خود غرض ثابت ہوا ہوں میں۔'' اس کے ہاتھ کی نرمی کو اپنی جوڑی ہتھیلی پر محسوس کرتا وہ ایک پل کو خاموش ہوا تھا۔

''شاہ اپنی دھن میں مجھ پر تکیہ کیے جانے کیا کچھ سوچ چکا ہے اور میں ہمیشہ کی طرح اپنی غلط میں کہے گئے جملوں کی بدولت پچھتاوے میں گھرا تماشا دیکھ رہا ہوں، جانتی ہو، احسان انکل نے مجھے فون کیا تھا، بہت غصہ کیا انہوں نے، باتیں سنا سنا کر شرمندہ کرتے رہے، اس لئے کہ میں نے امی، ابو کی وصیت پر عمل کیے بغیر تمہیں اس گھر میں روکا ہوا ہے، وہ میری کوئی بات سننے کو تیار ہی نہیں تھے، وہ کہہ رہے ہیں کہ تین دن کے اندر اندر تک ہمارا نکاح نامہ نہیں پہنچا تو وہ خود یہاں آجائیں گے، تمہیں اپنے ساتھ لے جانے کے لئے، وہ کہہ چکے ہیں کہ اس طرح وہ تمہیں یہاں نہیں رہنے دیں گے، آخر کیوں سب تمہیں مجھ سے دور لے جانا چاہتے ہیں، اب جبکہ مجھے لگتا ہے کہ تمہارے سوا میرے پاس کچھ نہیں ہے تو سب میرے صبر کا ضبط کا امتحان لینے پر بضد ہیں، مگر قصوروار تو میں ہی ہوں۔'' اس کی بند پلکوں پہ نگاہ جمائے وہ پھر رکا تھا۔

''لیکن میں ماضی کی کوئی غلطی نہیں دہراؤں گا، میرے لفظ پتھر کی لکیر نہیں نہ ہی تمہاری خوشی اور مرضی سے بڑھ کر ہیں، میں سب ٹھیک کر لوں گا، بس تم مجھ سے بدگمان مت ہو، تم میرے ساتھ ہو تو میں بلا خوف و خطر یہ سب کے سامنے قبول کروں گا کہ تم میرے لئے اور میں تمہارے

لئے ہوں۔" وہ جانے اور کتنے خوبصورت اقرار کر رہا تھا، طروب کو اپنا آپ کہکشاؤں میں گھرا محسوس ہو رہا تھا، دل کی دھڑکن اسے اپنے کانوں میں سنائی دے رہی تھی اور ان کے درمیان شاہ زیب کی بھاری آواز، ایک سلگتا لمس اسے اپنے ہاتھ کی پشت پر محسوس ہو رہا تھا، بند آنکھوں سے جاگتی وہ حسین خواب دیکھ رہی تھی۔

"مجھ سے راضی ہو کر سونا۔" مدھم سرگوشی اس کی سماعتوں سے ٹکراتی اسے سرشار کر گئی تھی، رکی سانسوں کے ساتھ اس نے دھیرے سے اپنی خمار زدہ آنکھیں کھول کر بند ہوتے دروازے کو دیکھا تھا، وہ جا چکا تھا مگر اردگرد رہ جانے والی اس کے مخصوص کولون کی مہک کیف آگیں احساسات جگا رہی تھی، ہاتھ کی پشت پر سلگتے لمس کی خوشبو نے اس کے سحر زدہ وجود کو حصار میں لے لیا تھا، گہری سانس لے کر ان سب خوشبوؤں کو اپنی سانسوں میں اتارتے ہوئے اس نے کروٹ بدلی تھی۔

ہاتھ کی سلگتی پشت کو بے اختیار اپنے ہونٹوں سے لگاتے ہوئے اس کے رخسار تپ اٹھے تھے۔

☆☆☆

اسٹاف کے لئے ایک چھوٹی سی گیٹ ٹوگیدر کا اہتمام کیا تھا شاہ زیب نے، ڈنر کا سارا انتظام شہرینہ کے ہاتھ میں تھا، رات میں شاہ میر کی فلائٹ تھی، سوجانے سے پہلے سب کے ساتھ کچھ اچھا وقت وہ بھی گزار رہا تھا، ہر دلعزیز بندہ تھا، اس لئے سب ہی چاہتے تھے کہ وہ جلد از جلد واپس آئے، ڈنر کا اہتمام شہرینہ نے ہال میں کروایا تھا، سب کو کھانا سرو کر کے وہ اچانک منظر سے غائب ہوئی تو شاہ میر اس کی تلاش میں نیچے آفس تک چلا آیا، شاہ میر کو حیرانی ہوئی تھی اسے وہاں تنہا کسی سوچ میں گم بیٹھے دیکھ کر، چونک کر شہرینہ نے اسے دیکھا تھا جو کرسی کا رخ اس کی طرف کرتا بیٹھ رہا تھا۔

"تم ڈنر چھوڑ کر یہاں کیوں آگئے؟"

"کیونکہ تم یہاں ہو۔" شاہ میر نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"میں تو بس ایسے ہی۔" وہ پھیکی سی ہنسی کے ساتھ بات ادھوری چھوڑ گئی تھی۔

"تھک گئی ہو، اس شاہ زیب نے بہت ذمہ داریاں ڈال دی ہیں تم پر۔"

"نہیں، اب ایسی بھی کوئی بات نہیں، بس ویسے ہی کچھ تھکن محسوس ہوئی تو کچھ دیر کے لئے یہاں آکر بیٹھ گئی۔" وہ فوراً بولی تھی۔

"کمال کرتی ہو یار تم لڑکیاں بھی جذبات چھپانے میں، جاؤ میں نہیں کھیلتا۔" شاہ میر کے مصنوعی ناراضی سے روٹھنے پر شہرینہ حیرت سے اسے دیکھتی کھلکھلا کر ہنسی تھی۔

"دیکھو میری وجہ سے کیسے تمہاری اداسی دور ہو گئی، اب میرے جانے کے بعد آنسو بہانے مت بیٹھ جانا، فکر مت کرو روز صبح شام کال کروں گا۔"

"بے کار کی خوش فہمیاں، خبردار جو تم نے صبح شام میرا سر کھایا، تمہارا سارا وقت تمہارے گھر والوں کے لئے ہونا چاہیے، اتنے کم دنوں کے لئے تو جا رہے ہو۔" شہرینہ نے خشمگیں لہجے میں ڈپٹا تھا۔

"میں تو سمجھا تھا، میری جدائی کے پندرہ دن تمہیں پندرہ صدیاں لگیں گے، جاؤ میں نہیں بولتا۔"

"اچھی بات ہے مت بولو، میں ویسے بھی یہاں خاموشی میں کچھ ریلیکس ہونے آئی ہوں۔" شہرینہ نے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔

"سن لو یار، کچھ وقت کا تو مہمان ہوں

یہاں، پھر جانے یہ بے وفا زندگی مہلت دے نہ دے۔" شاہ میر نے شرارتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"کیسی بدفال منہ سے نکال رہے ہو، بری بات ہے۔" شہرینہ نے ٹوکا تھا۔

"تو پھر اچھی بات بھی تو تم نہیں سن رہی ہو، زہر لگ رہی ہو اداس خاموش مورت بنی۔"

"اچھا بابا، بولو میں سن رہی ہوں۔" وہ زچ ہو کر بولی تھی دوسری جانب شاہ میر سنجیدہ سا ہو گیا تھا۔

"اچھا تم مجھے لاکھ چڑاتے رہو اور میں جو ذرا تمہیں تنگ کروں تو اس طرح سنجیدہ ہو گئے، حد ہو گئی۔" اس کے تاثرات پر شہرینہ نے خشمگیں لہجے میں کہا تھا۔

"ذرا تنگ۔" شاہ میر نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"جانتی ہو، نیند کے غلبے میں بھی مجھے صرف تمہاری آواز سنائی دیتی ہے، صبح بیدار ہوتے ہی سب سے پہلا خیال تمہارے بارے میں میرے دل و دماغ میں چکرا رہا ہے اور میرا دل چاہتا ہے کہ میں وقت سے پہلے یہاں پہنچ جاؤں تاکہ تمہیں دیکھ سکوں۔" اس کے بے حد سنجیدہ لہجے اور خود پر جمی نظروں نے شہرینہ کو ساکت کر دیا تھا۔

"میں جانتا ہوں تم یقین نہیں کرو گی، لیکن میں اس سب سے گزر رہا ہوں، تمہاری بے یقینی کے خدشے کی وجہ سے یہ سب بتانے کی جسارت نہیں کی مگر جانے سے پہلے تمہیں یہ بتانے کا موقع مل گیا ہے تو میں یہ چاہوں گا کہ تم میرے بارے میں ہی نہیں اپنے بارے میں بھی سوچو، دل دماغ جس فیصلے پر متفق ہوں اس سے مجھے ضرور آگاہ کر دینا، میں تمہیں پریشان نہیں کروں گا کوئی سوال کر کے، بس تمہاری کال کا منتظر رہوں گا۔" اس کے خاموش ہونے پر شہرینہ نے نگاہیں اس کے چہرے سے ہٹالی تھیں۔

"اپنا بہت خیال رکھنا، اکیڈمی کی ذمہ داریوں میں گم ہو کر میری کمی کو محسوس کرنا مت بھولنا۔" مسکراتی نظروں سے شاہ میر نے اسے دیکھا تھا۔

"گم صم کیوں ہو گئیں؟ ویسے تم سے کسی خوشبو جیسی بات کی امید مجھے ہے بھی نہیں، جسے تم میرے ہمراہ کرو، آپ بڑے لوگوں کی عجیب باتیں۔" اس کی خاموشی پر وہ گہری سانس لیتا کرسی سے اٹھا تھا۔

"چلو سب کے درمیان چلتے ہیں۔" اس کے کہنے پر شہرینہ نے نظر اٹھا کر اس کے بے طرح سنجیدہ چہرے کو دیکھا تھا۔

"شاہ میر....." اس کی پکار پر وہ جاتے جاتے رک کر ذرا پلٹا تھا۔

"مجھے تم سے کچھ کہنا ہے مگر تم برا مت ماننا۔" شہرینہ نے اس کے مقابل آتے ہوئے کہا تھا۔

"میری کال کا انتظار مت کرنا ورنہ تمہیں مایوسی ہی ہوگی۔" بولتے ہوئے شہرینہ نے بغور اس کے یکدم بجھتے چہرے کو دیکھا تھا۔

"کیونکہ میں فون پر نہیں آمنے سامنے روبرو ملنا چاہتی ہوں۔" یکدم شہرینہ کے چہرے پر بکھرتی مسکراہٹ نے شاہ میر کو دنگ کیا تھا۔

"تمہیں یہ لگا کہ جو اپنی کیفیت تم نے بتائی وہ میرے لئے قابل یقین نہیں، سچ تو یہ ہے کہ اگر وہ سب جھوٹ ہوتا تو بھی میں آنکھیں بند کر کے یقین کر لیتی، کیونکہ یہ سب کہنے والے اس دنیا میں صرف تم ہی ہو، میں حیران بھی ہوں اور خوش بھی۔"

"سمجھ نہیں آرہا کہ میں اپنی خوشی کا اظہار کن لفظوں میں کروں، تم نے ایک بوجھ میرے سر سے اتار دیا ہے۔" شاہ میر کی خوشی دیدنی اور لہجہ نہال تھا۔

"مگر ایک شرط ہے۔"

"کیسی شرط؟" شاہ میر کی مسکراہٹ غائب ہوئی تھی۔

"شرط یہ ہے کہ ٹھیک ایک ہفتے کے بعد آج کے ہی دن تم یہاں میرے سامنے ہو گے۔"

"سر کے بل آئیں گے محترمہ، یہ شرط تو کچھ بھی نہیں، قضا بھی آئی تو اس سے مہلت لے کر آپ کے قدموں آ کر ہی....."

"مجھے تمہارے ان ڈائیلاگز میں کوئی دلچسپی نہیں، اگر تم نے شرط پوری نہیں کی تو ڈھونڈ لینا کسی ایسی محترمہ کو جو تمہارے ڈائیلاگز پر شرماتی لجاتی رہے۔" شہرینہ کے جتانے پر وہ بے ساختہ ہنسا تھا۔

☆☆☆

ایک اداس طائرانہ نگاہ اس نے آسمان پر ڈالی تھی اور پھر گہری سانس لے کر سر گھٹنوں سے ٹکا دیا تھا، رات کو وہ بھی ایئر پورٹ گئی تھی شاہ میر کو سی آف کرنے، گھر میں تن اس کی آنکھیں نم ہوئی جارہی تھیں اس کے افسردہ چہرے کو دیکھ کر شاہ میر نے بہت تسلیاں دی تھیں جلدی آنے کا وعدہ بھی کیا تھا۔

ڈھلتی دوپہر کے سناٹے میں گونجتی کال بیل نے اسے چونکا دیا تھا، اس وقت شاہ زیب کی آمد نے اسے حیران کیا تھا، اگلے ہی پل وہ دنگ بھی رہ گئی تھی جب شاہ زیب اس کا ہاتھ تھامے کچھ عجلت میں لاؤنج تک لایا تھا۔

"طروب! کیا تمہیں مجھ پر مکمل بھروسہ ہے؟" اسے شانوں سے تھامے وہ سوال کر رہا تھا۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ میں تمہارے لئے بہتر فیصلہ کر سکتا ہوں؟" اس کے سوالوں پر کچھ الجھی اور پریشان نظروں سے دیکھتی طروب نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"تو پھر مجھے تمہارے مکمل ساتھ کی ضرورت ہے مجھے امید ہے کہ تم مجھے مایوس نہیں کرو گی، ہر سوال پر جرح کا سامنا میں کروں گا لیکن ابھی میرے ساتھ چلو۔" اس کے قطعی اور فیصلہ کن لہجے پر طروب کو کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔

رات کی سیاہ چادر پھیل چکی تھی ہر سمت بیک ویو مرر میں شاہ زیب نے ایک بار پھر اسے دیکھا تھا جس کا چہرہ کسی تاثر سے عاری تھا، یقیناً جو اچانک اور غیر متوقع قدم وہ اٹھا چکا تھا اس کے بعد فوری طور پر طروب سے کسی ردعمل کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی، وہ بالکل خاموش اور جامد تھی، شاہ زیب نے بھی فی الوقت اسے مخاطب نہ کرنا ہی بہتر سمجھا تھا۔

"تمہیں اس بارے میں زیادہ سوچنے کی ضرورت نہیں ہے، میں ایکڈمی سے واپس آتا ہوں تو ہم بات کرتے ہیں۔" اسے گھر کے گیٹ تک چھوڑ کر واپس پلٹنے سے پہلے شاہ زیب نے کہا تھا۔

رات میں جب وہ واپس آیا تو طروب اسے گم صم کیفیت میں ہی نظر آئی تھی، وہ کھانا گرم کرنے کے ارادے سے کچن کی سمت جا رہی تھی کہ شاہ زیب نے اسے روک دیا تھا۔

"شاید میری خوشی ہی اس قدر ہے کہ میری بھوک، پیاس سب ختم....." صوفے پر کچھ فاصلے پر بیٹھتے ہوئے اس نے طروب کو مخاطب کیا تھا جو اس کی جانب نہیں دیکھ رہی تھی۔

"سمجھ نہیں آتا کہ اس عجلت پر تم سے معافی مانگوں یا تمہارے ساتھ دینے پر تمہارا شکریہ ادا کروں۔" ایک پل کو رک کر وہ بولا تھا۔

"میں نے سب سے پہلے وہی کیا جو میرے لئے سب سے زیادہ اہم تھا، میں اب اعتماد کے ساتھ احسان انکل اور شاہ میر کا سامنا کر سکتا ہوں کیونکہ اب مکمل طور پر تم میرے ساتھ جڑ چکی ہو، کورٹ میرج کا فیصلہ آسان نہیں تھا مگر تمہارے ساتھ نے، بھروسے نے مجھے اتنی جرأت دی، تمہاری وجہ سے ہی آج میں اپنے ماں باپ کی خواہش اور وصیت کو پورا کرنے میں کامیاب ہوا ہوں، تمہارے دل میں اگر کوئی شکایت، خدشہ یا بدگمانی ہے تو کہہ دو مگر خاموش مت رہو، ورنہ مجھے یہ سوچ بے چین رکھے گی کہ میں نے خود کو تم پر مسلط کر دیا ہے۔" اس کے سپاٹ چہرے اور خاموشی نے شاہ زیب کو کہنے پر مجبور کیا تھا۔

"اتنی خاموشی سے تو کوئی گناہ بھی نہیں کرتا۔" طروب کے سرد لہجے اور سپاٹ نظروں پر وہ کچھ بول نہیں سکا تھا، جبکہ طروب مزید کچھ کہے بغیر صوفے سے اٹھ کر لاؤنج سے نکلتی چلی گئی تھی۔

☆☆☆

شاہ زیب نے یہی سوچ کر مکمل طور پر کامیاب کہ سب کچھ قبول کرنے میں طروب کو کچھ وقت لگے گا مگر وہ دن گزرنے کے بعد بھی طروف پر چھایا جمود اور گریز قائم رہا تو یہ سب اسے نارمل نہیں لگا، کم از کم اب جبکہ طروب اور وہ ایک اٹوٹ رشتے میں بندھ چکے تھے تو اس کی لاتعلقی اور گریز کو برداشت کرنا شاہ زیب کے لئے نا ممکن ہونے لگا تھا۔

ٹیبل پر کھانا چن کر اس نے ایک نگاہ کچن میں داخل ہوتے شاہ زیب کو دیکھا تھا اور اگلے ہی پل نگاہ چراتی وہاں سے جا رہی تھی کہ شاہ زیب کی پکار نے اس کے قدم روک لئے تھے مگر اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔

"میں دیکھ رہا ہوں طروب، تمہیں اب میرے ساتھ بیٹھ کر کھانا، کھانا بھی گوارہ نہیں، تمہاری یہ لاتعلقی مجھے میری نظروں میں گرا رہی ہے۔" اس کے سخت شکایتی لہجے پر بھی جب طروب نے پلٹ کر نہ دیکھا تو شاہ زیب نے خود ہی اس کا رخ اپنی سمت کیا تھا۔

"میرے صبر کا مزید امتحان مت لو طروب، آخر میرا قصور تو بتا سکتی ہو تم۔" اس کے سخت لہجے پر طروب نے ضبط سے سرخ ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔

"قصور آپ کا نہیں، قصور تو میرا ہے جو خود کو بہت معتبر سمجھ بیٹھی تھی، اپنی حقیقت کو بھول کر اپنی حیثیت سے بڑھ کر امیدیں وابستہ کر لی تھیں، آخر کس میں اتنا ظرف ہے کہ مجھ جیسی لڑکی کو ساری دنیا کے سامنے قبول کیا جاتا، پورے اعزاز کے ساتھ کوئی مقام دیا جاتا، فخر اور اعزاز کے قابل تو شہرینہ جیسی لڑکیاں ہوتی ہیں، میری کیا حیثیت کیا مقابلہ۔" وہ جیسے پھٹ پڑی تھی جبکہ شاہ زیب دنگ رہ گیا تھا اس کی بدگمانیوں پر، اس سے پہلے کہ طروب چل جاتی، شاہ زیب نے اسے شانوں سے تھام لیا تھا۔

"تم نے یہ کس اخذ نے کہا کہ میں ساری دنیا کے سامنے تمہیں قبول کرنے سے کترا رہا ہوں، یا میں تمہیں کسی اعزاز کے قابل نہیں سمجھتا، میری عجلت کی وجہ جانتے ہوئے بھی تم نے اتنی بڑی بات کہہ دی ہے، مجھے تمہاری زبان سے شہرینہ کا طعنہ سن کر بھی اتنی تکلیف نہیں پہنچی جتنا کہ تمہاری سوچ، تمہاری بدگمانی نے پہنچائی ہے، میں جانتا ہوں تمہارے خواب ہیں، خواہشیں ہیں

جن کو پورا کرنا اب پہلے سے زیادہ اہم ہے، میں خود غرض نہیں ہوں، میرے دل، میری زندگی میں تمہارا جو مقام ہے وہ مجھ پر ذمہ داری عائد کرتا ہے کہ میں ساری دنیا کے سامنے تمہیں تمام اعزازات اور شان کے ساتھ اپنی زندگی میں لاؤں، اگر ایسا نہ ہوتا، تو مجھے کون روک سکتا تھا، تمہارے پاس آنے سے، نئے رشتے کا حق وصول کرنے سے، بتاؤ پانچ دن میں کتنی بار میں نے تمہیں کس چیز کے لئے مجبور کیا؟ کتنی بار تم کو چھونے کی کوشش کی؟ کتنی بار تمہارے کمرے کی دہلیز تک آیا میں؟'' سرخ چہرے کے ساتھ وہ اس سے پوچھ رہا تھا جو ساکت نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''شاہ میر کے واپس آنے کا انتظار تھا بس مجھے، اسے سب کچھ بتا کر اس کی خوشی اور رضا کے ساتھ میں شادی کے انتظامات کرنا چاہتا تھا تاکہ میرا ضمیر مطمئن ہو جائے، میں ساری دنیا کو بتانا چاہتا تھا کہ تمہیں میرے ماں باپ نے چنا تھا، مجھ سے پہلے تم ان کی خواہش اور خوشی ہو، اپنے لئے تمہارے دل میں مجھے محبت اور عزت کی آگاہی نہ ہوتی تو میں بھی صرف اس لئے تمہیں اپنے ساتھ نہ باندھتا کہ میرے دل میں تمہاری محبت اور عزت ہے، اب مجھے احساس ہو رہا ہے کہ تمہارے دل میں نہ میری محبت ہے نہ عزت، ورنہ بہت مان سے شکایت ضرور کرتیں مگر اجنبی بن کر طعنے نہ دیتیں۔'' بات ختم کر کے وہ اسے ایک طرف ہٹاتا کچن سے نکل گیا تھا جبکہ طروب اپنی جگہ ساکت کھڑی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

دوسری صبح ایک تبدیلی ضرور محسوس ہو گئی تھی، طروب نے اسے بیدار کرنے کے لئے پہلے کی طرح دستک دی تھی، طروب نے بھی یہ محسوس کر لیا تھا کہ وہ اس کی طرف دیکھنے سے بھی گریز کر رہا ہے، یہ غنیمت تھا کہ رات کی طرح شاہ زیب نے ناشتے کو نظر انداز نہیں کیا تھا۔

ناشتے کے دوران ہمت کر کے طروب نے شاہ میر کے حوالے سے ایک دو باتیں کی تھیں، شاہ زیب نے بس ہوں ہاں پر ہی اکتفا کیا تھا۔

''آپ رات میں جلدی نہیں آ سکتے؟'' عقب سے ابھرتی طروب کی آواز پر وہ رکا تھا۔

''کیوں؟'' اس کے سوال پر طروب کچھ گڑبڑائی تھی۔

''وہ بس آج کل مجھے تنہا گھر میں ڈر سا لگنے لگا ہے۔''

''ڈر اور تمہیں۔'' شاہ زیب کے کہنے پر وہ چور سی بن گئی تھی۔

''احمق اسے بتاؤ جو تمہیں جانتا نہ ہو۔'' خشمگیں نظروں سے اس کے اترے چہرے کو دیکھتا وہ باہر نکل گیا تھا، حقت زدہ نظریں اس کی پشت پر جمائے وہ دروازہ تھامے کھڑی رہی تھی تب ہی وہ چونکی تھی جب لفٹ کی جانب بڑھتے شاہ زیب نے گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا بے ساختہ مسکراہٹ طروب کے چہرے پر بھی کھل اٹھی تھی، اس کی مسکراہٹ دیکھنے کے بعد۔

''رات آٹھ بجے تک۔'' طروب نے آواز لگائی تھی جبکہ شاہ زیب ان سنی کیے سیڑھیوں کی طرف مڑتا غائب ہو گیا تھا، خالی کاریڈور کو دیکھتی وہ اس کی مسکراہٹ کے سحر میں کچھ لمحے ساکت رہی تھی مگر ایک بار پھر مسکراتے ہوئے دروازہ بند کر دیا تھا۔

☆☆☆

دوپہر تک شاہ زیب کا میسج اسے مل گیا تھا، کہ آٹھ بجے تک وہ تیار رہے، دونوں ڈنر باہر کریں گے، طروب بہت پرجوش تھی شاہ زیب

کے ساتھ باہر جانے کے لئے، آج خاص طور پر بنے سنورنے کی آرزو دل میں جاگی تھی مگر کسی نا گہانی آفت کی طرح شام تک اس کی آنکھوں میں ہوتی ہلکی ہلکی تکلیف انفیکشن میں بدلنے لگی تھی مگر اس نے اس سب کو اپنے جوش و خروش پر حاوی نہیں ہونے دیا تھا۔

پنچ کلر کے دیدہ زیب لباس میں سجے سنورے اس کے معصوم حسین روپ نے پہلی نگاہ میں ہی شاہ زیب کو مبہوت کر دیا تھا وہیں اس کی بھیگی بھیگی بھنورا سی آنکھوں میں سرخ ڈورے اسے چونکا گئے تھے۔

''کچھ نہیں، بس معمولی سی تکلیف ہے آنکھوں میں۔'' اس کے استفسار پر وہ سرسری انداز میں بولی تھی۔

''یہ معمولی سی تکلیف ہے، اتنی سرخ ہو رہی ہیں آنکھیں۔'' ڈانٹتے ہوئے شاہ زیب نے اس کی پیشانی کو چھوا تھا۔

توقع کے عین مطابق وہ بخار میں تپ رہی تھی۔

''ایک فون تو کرنا تھا مجھے، جانے کب سے طبیعت خراب ہے تمہاری۔'' بے اختیار شاہ زیب نے اس کے جلتے نرم و نازک وجود کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا تھا۔

''اگر آپ کو بتا دیتی تو باہر جانا کینسل ہو جاتا اور میں آپ کے ساتھ باہر جانا چاہتی تھی۔'' اس کے مہربان کشادہ سینے سے چہرہ ٹکائے وہ بولی تھی۔

''جانا تو ہے مگر پہلے ڈاکٹر سے چیک اپ کروانا ہے اس کے بعد کہیں اور۔'' بند آنکھوں کے ساتھ شاہ زیب کی نرم آواز سنتے ہوئے وہ کسی اور ہی دنیا میں تھی، اس کی قربت اور مضبوط حصار میں، محبت بھرے لمس میں جیسے کوئی جادو تھا، عجیب کیف تھا کہ ہر تکلیف بھولنے لگی تھی، دوسری جانب اس کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے شاہ زیب نے بھی اسے ڈسٹرب نہیں کیا تھا، چپ چاپ وہ اس کے ملبوس اور ریشمی بالوں کی بھینی بھینی سی مہک کے حصار میں سانس لیتا سحر زدہ سا تھا۔

''سنو، اس طرح تو تم مجھے بے بس کر دو گی، انسان ہوں، ایک حد تک ہی خود پر پہرے لگا سکتا ہوں، ضبط کھو گیا تو پھر شکایت اور غصہ مت کرنا۔'' سماعتوں سے ٹکراتی شاہ زیب کی آواز اسے جیسے ہوش میں لے آئی تھی، سرعت سے اس کے حصار سے نکلتی وہ اس کی جانب دیکھ نہیں سکی تھی جو اس کے جھینپے اور سرخ چہرے کو دیکھتا مسکرایا تھا۔

''اگر آپ چینج کرنا چاہیں تو میں نے کپڑے پریس کر دیئے تھے۔'' اس کی جانب دیکھے بغیر بولتی وہ تیزی سے وہاں سے چلی گئی تھی، اپنی شرمندگی پر قابو پا کر جب وہ پانی کا گلاس شاہ زیب کے لئے کمرے میں لائی تو وہ کمرے میں نہیں تھا، گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھتی وہ کمرے سے نکل رہی تھی، جب شاہ زیب کے فون پر آتی کال پر وہ ٹیبل تک آئی تھی، صرف نمبر شو ہو رہا تھا، کوئی ضروری کال نہ ہو، یہی سوچ کر وہ اگنور نہیں کر سکی تھی۔

''شاہ زیب! کل میں ذرا لیٹ اکیڈمی پہنچوں گی، امی کا چیک اپ کروانا ہے اور ڈاکٹر نے صبح کا اپائنٹمنٹ دیا ہے۔'' دوسری جانب سے طروب کے کچھ کہنے سے پہلے ہی یہ سب کہا گیا تھا۔

''آپ کون؟'' طروب کو اپنی ہی آواز اجنبی لگی تھی، دوسری جانب بھی چند لمحوں کے لئے خاموشی سی چھا گئی تھی، طروب کو لگا جیسے کوئی کھولتا

ابلتا پانی اس کے سر پر ڈالتا جا رہا ہے۔

"کیسی ہو طروب؟ میں شہرینہ۔" دبے دبے لہجے نے اس کی رگوں میں چنگاریاں بھر دی تھیں۔

"آپ اکیڈمی میں کیوں....." طروب کی آواز حلق میں پھنس گئی تھی۔

"اوہ..... میرا خیال ہے کہ شاہ میر یا شاہ زیب نے تمہیں بتایا نہیں، میں اکیڈمی میں ہی تو جاب کر رہی ہوں، بس اب تو یہی مصروفیت ہے۔" شہرینہ اور کیا کہہ رہی تھی اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا، بے جان ہاتھوں سے لائن ڈسکنیکٹ کر کے فون ڈریسنگ پر رکھتے ہوئے اسے اپنے عقب میں شاہ زیب کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔

"طروب کس کی کال تھی؟" اس کے سوال پر وہ پلٹی تھی، شرٹ کے بٹن بند کرتا شاہ زیب اس کے چہرے کے تاثرات پر بری طرح چونکا تھا۔

"کس کی کال تھی؟" اس کی غیر معمولی خاموشی پر شاہ زیب نے سوال دوہرایا تھا۔

"شہرینہ کی۔" وہ بولی نہیں پھنکاری تھی۔

"وہ عورت آپ کی اکیڈمی میں کس حق سے ہے؟ کس حق سے وہ آپ کو کال کر رہی ہے؟ مجھے سچ سننا ہے؟" وہ بھڑکتے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

"طروب! اس کے بارے میں تمہیں جو سوال کرنا ہے وہ تم شاہ سے کرو کیونکہ شہرینہ کو اس نے ہی اکیڈمی میں بلایا تھا جاب کے لئے، لہٰذا کوئی بدگمانی اپنے دل میں پیدا کر کے تم اپنا اور میرا یہ اچھا وقت خراب مت کرو۔" شاہ زیب کا سمجھانے والا انداز اسے مزید سلگا گیا تھا۔

"جہنم میں گیا وقت، نہیں چاہیے مجھے آپ کے قیمتی وقت کی بھیک، شاہ آپ کی مرضی کے بغیر اسے اکیڈمی تک نہیں لا سکتے تھے، کیوں میری آنکھوں میں دھول جھونک کر دھوکا دیا جا رہا ہے مجھے۔" وہ بری طرح بگڑ کر چیخی تھی۔

"تم میری بات مکمل سے سننا ہی نہیں چاہتی ہو، چیخ چلا کر تم اپنی طبیعت مزید خراب کرو گی، بہتر ہے کہ تم ابھی شاہ میر سے فون پر ہر سوال کرو۔"

"شاہ سے کیوں، آپ سے کیوں نہ کروں سوال؟ وہ شاہ کی نہیں، آپ کی محبوبہ رہ چکی ہے، آپ کے دن رات اس کے ساتھ گزر رہے ہیں، شاہ کے نہیں۔"

"طروب! سوچ سمجھ کر بات کرو، تم جانتی ہو تم کیا کہہ رہی ہو۔" شاہ زیب بمشکل ضبط کیے سخت لہجے میں بولا تھا۔

"میں صرف سچ کہہ رہی ہوں، وہ آج بھی آپ کی زندگی میں ہے، ابو کے لئے، میرے لئے، شاہ کے لئے زہر اگلنے کے باوجود وہ آج بھی آپ کے قریب ہے کیونکہ آپ اس سے دستبردار نہیں ہو سکتے، آخر کون سا کھیل کھیل رہے ہیں آپ؟ نفرت ہے مجھے شہرینہ سے، آپ سے، دو کوڑی کا کر دیا ہے آپ نے مجھے ساتھ یہاں لا کر، مجھے کسی قیمت پر اس جہنم میں نہیں رہنا، اگر مجھے زبردستی یہاں روکا گیا تو بہت برا انجام ہو گا۔" آنسوؤں سے تر چہرے کے ساتھ وہ حلق کے بل چیخی تھی۔

"طروب! میری بات سنو۔" شاہ زیب نے اسے روکنا چاہا تھا مگر وہ بھاگتی ہوئی کمرے سے نکل گئی تھی، شاہ زیب کو اپنا دماغ ماؤف ہوتا محسوس ہوا تھا، یکدم اسے شاہ میر پر بہت غصہ آیا تھا جس کی وجہ سے اس کے اور طروب کے درمیان پھر سب کچھ بگڑ گیا تھا۔

☆☆☆

ٹیبل کے دوسری جانب بیٹھے ہوئے وہ

حیرت سے شاہ زیب کو دیکھ رہی تھی جو اس کی آمد سے قطعی بے خبر کسی سوچ میں گم تھا، شہرینہ کو اس کے چہرے پر کچھ فکر و پریشانی کے تاثرات نظر آئے تھے۔

"شاہ زیب! کہاں گم ہو؟" بالآخر شہرینہ کو خود اسے متوجہ کرنا پڑا تھا۔

"اس وقت جب تم یہاں موجود ہو کر بھی کہیں اور گم تھے۔" شہرینہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"مجھے لگا تھا آج تم چھٹی کے موڈ میں ہو، سو نہیں آؤ گی، سب خیریت تھی؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"شاید طروب نے میرا میسج تم تک نہیں پہنچایا۔" شہرینہ نے بغور اس کے سنجیدہ تاثرات کو دیکھا تھا۔

"میں لنچ کے لئے کچھ منگواتا ہوں۔" اس کی بات نظر انداز کرتا وہ انٹرکام کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"نہیں ابھی رہنے دو۔" شہرینہ نے فوراً اسے روکا تھا۔

"پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ اتنے ٹینس کیوں نظر آ رہے ہو؟ اگر میری وجہ سے تمہارے اور طروب کے درمیان کوئی بات ہوئی ہے تو مجھے بتا دو، ویسے مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ طروب میرے اکیڈمی میں کام کرنے سے لاعلم ہے۔" شہرینہ کے درست اندازے پر وہ فوری طور پر کچھ بول نہیں سکا تھا۔

"شاہ زیب! اگر تم اپنی پریشانی شیئر نہیں کرنا چاہتے تو میں مجبور نہیں کروں گی، لیکن یہ ضرور چاہوں گی کہ اگر تمہیں ذرا بھی بھروسہ ہے مجھ پر تو ضرور اپنے دل کی بات کہو۔" شہرینہ کے کہنے پر شاہ زیب نے گہری سانس لے کر اس اسے دیکھا تھا۔

"تمہاری قیاس آرائیاں بالکل درست ہیں شہرینہ! مگر میری پریشانی کی سب سے بڑی وجہ کوئی اور ہے۔" وہ بولتے ہوئے ایک پل کو رکا تھا۔

"شاہ کے جانے کے بعد میں نے طروف سے کورٹ میرج کر لی ہے جبکہ وہ بے خبر ہے۔" شاہ زیب کے اس غیر متوقع انکشاف نے شہرینہ کو دنگ کیا تھا۔

"ٹھیک ہے اس میں کوئی برائی نہیں، مگر تم نے یہ سب شاہ میر سے کیوں مخفی رکھا؟" وہ حیرت سے پوچھ رہی تھی۔

"اس کی بھی ایک وجہ ہے ورنہ تم جانتی ہو کہ میرا کوئی معاملہ شاہ میر سے چھپا نہیں رہتا، غلطی میری ہے، میری عجلت نے معاملے کو اتنا سنگین بنا دیا۔" شاہ زیب مضطرب انداز میں بول رہا تھا۔

"امی کے جانے کے بعد میں طروب کی وجہ سے بہت ان سیکیور اور پریشان ہو گیا تھا، ان حالات سے تم بھی لاعلم نہیں ہو، طروب کو میں محفوظ اور سیکیور دیکھنا چاہتا تھا، میرے پاس ایک ہی راستہ رہ گیا تھا کہ میں شاہ میر کے ساتھ اس کے مستقبل کو محفوظ کر دوں، میں نے شاہ میر سے اس بارے میں بات کی، اس کے علاوہ طروب پر میں کسی اور پر بھروسہ کر بھی نہیں سکتا تھا۔" شہرینہ کے چہرے کے بدلتے تاثرات سے انجان وہ بات جاری رکھے ہوئے تھا۔

"مگر طروب اس کے لئے راضی نہیں تھی اس کی مخالفت اور ردعمل بہت شدید تھا، طروب وہی چاہتی تھی جو میرے ماں باپ چاہتے تھے، شاہ میر کو یہ یقین تھا کہ میں طروب کو آہستہ آہستہ اس کے لئے راضی کر لوں گا ہوا یہ کہ آہستہ آہستہ

مجھے طروب کی قدر و اہمیت کا احساس ہو گیا، اہمیت پہلے بھی تھی مگر بعد میں اس کا انداز بدل گیا، طروب نے محبت ہو جانے کی کوئی ایک وجہ نہ بھی ہوتی تو بھی اسے اپنانے کے لئے یہی کافی تھا کہ اس کے دل میں میرے لئے ایک خاص مقام ہے، دوسری طرف شاہ میر کو میں زبان دے چکا تھا، کئی بار سوچا کہ اسے سچ بتا دوں کہ میں طروب سے دستبردار نہیں ہو سکتا، مگر ہمت نہیں ہوئی، اب یہ صورتحال ہے کہ طروب کے لئے میرے جذبات سے بے خبر شاہ میر اپنے گھر والوں کے پاس خاص طور پر اس لئے گیا ہے کہ طروب اور اپنی شادی کی بات کر سکے، مجھے معلوم ہے چچی جان طروب کے لئے کبھی انکار نہیں کریں گی۔'' شاہ زیب بول رہا تھا جبکہ ساکت بیٹھی شہرینہ کا وجود دن اور دماغ ماؤف ہوتا جا رہا تھا۔

''اگر میری محبت یکطرفہ ہوتی تو میں طروب کے لئے شاہ میر کو ہی خود پر ترجیح دیتا، میں خود پر جبر کر سکتا تھا مگر طروب پر نہیں، اسی لئے میں نے شاہ میر کی بے خبری میں یہ قدم اٹھایا ہے، پریشان اس لئے ہوں کہ سب کچھ جاننے کے بعد جانے شاہ میر کا ردعمل کیا ہوگا، میرے لئے ناممکن ہے اس کی ناراضی برداشت کرنا۔'' بولتے ہوئے یکدم شاہ زیب کے رک جانے پر شہرینہ نے اک حیران نظروں کے تعاقب میں دیکھا تھا، ہشاش بشاش مسکراہٹ کے ساتھ آفس میں داخل ہوتا وہ شاہ میر ہی تھا، شہرینہ کی آنکھوں میں جیسے مرچیں بھر گئی تھیں۔

''اتنی اچانک، وقت سے پہلے؟'' حیرت و خوشی کے ساتھ شاہ زیب اس کے گلے سے لگا تھا جبکہ شاہ میر کو بری طرح چونکا دیا تھا، شہرینہ نے جو ایک جھٹکے سے اٹھتی تیز قدموں سے آفس سے نکل گئی تھی۔

لیب کی تنہائی اور خاموشی میں آ کر وہ بے جان ہوتے وجود کے ساتھ کرسی پر ڈھے گئی تھی، غم و غصے سے اس کے ہاتھ پیر لرز رہے تھے، سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی، اگر وہ کچھ دیر بھی شاہ میر کے سامنے رہتی تو یقیناً اس کا گریبان پکڑ کر جھنجھوڑ اٹھتی، گھومتا سر ہاتھوں میں گرائے وہ اپنے منتشر اعصاب کو کنٹرول کر رہی تھی، تب ہی گہری خاموشی میں اسے گلاس ڈور کھلنے اور بند ہونے کی مدھم آواز ابھری تھی۔

''شہرینہ! کیا ہوا ہے تمہیں؟ تمہارے چہرے پر خوشی دیکھنے کے لئے میں شرط سے ایک دن پہلے واپس آیا ہوں اور تم مجھے دیکھ کر یہاں آ چھپی ہو۔''

''اس لئے کیونکہ میں تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتی تھی گھٹیا انسان۔'' ایک جھٹکے سے کرسی سے اٹھتی وہ خونخوار انداز پر چیخی تھی، شاہ میر حق دق رہ گیا تھا جبکہ لیب میں داخل ہوتا شاہ زیب بھی دنگ ہوتا اپنی جگہ رک گیا تھا۔

''تم مکار ہی نہیں، بزدل بھی ہو، تمہارے اندر اتنی ہمت نہیں تھی کہ اپنے دل کا زہر تم میرے سامنے اگلتے، اس لئے تم نے نقاب میں چھپ کر مجھے دھوکہ دیا۔'' اس کے بھڑکتے لہجے اور خونخوار نظروں پر شاہ میر کے چہرے کے تاثرات سپاٹ ہوئے تھے۔

''شاہ! کیا ہے یہ سب؟ شہرینہ یہ سب کیوں کہہ رہی ہے تم سے؟'' دنگ کھڑے شاہ زیب نے شاہ میر سے پوچھا تھا جو خاموش رہ کر بس شہرینہ کے غصے میں تمتماتے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

''شاہ زیب! میں جانتی ہوں، تم نے مجھے معاف کر دیا ہے مگر تمہارا یہ وفادار دوست، مجھ

سے تمہارا بدلہ لینے کے لئے انتہائی پستی میں گر چکا ہے، سانپ سے بھی بڑھ کر بدتر ثابت ہوا ہے، مخلصی اور خلوص کے نام پر دھوکہ دے کر یہ مجھے یہاں تک لایا تھا تاکہ یہ تمہاری نظروں سے پھر مجھے گرا دے، میں نے اس پر بھروسہ کیا مگر یہ تو مجھے وہی تکلیف دینا چاہتا تھا جو تمہیں مجھ سے ملی تھیں، اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ مجھے پرپوز کرکے، مجھے آسرے میں رکھ کر اپنی ماں کے پاس اپنی اور طروب کی شادی کی بات کرنے نہ جاتا۔'' بھڑکتے لہجے میں بولتے ہوئے اس نے زہر خند نظروں سے شاہ میر کو دیکھا تھا۔

''اندازہ ہو رہا ہے کہ تم کس حد تک کسی پر بھروسہ کر سکتی ہو۔'' شاہ میر سرد لہجے میں بولتا حیران پریشان کھڑے شاہ زیب کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

''شادی مبارک ہو شاہ زیب۔'' اس کے سرد لہجے پر شاہ زیب کچھ بول نہیں سکا تھا۔

''مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے، میں جانتا تھا کہ عجلت اور ڈپریشن کے دباؤ میں تم نے طروب کو مجھ سے منسوب کرنے کا انتہائی احمقانہ فیصلہ کیا تھا جبکہ میں یہ بھی جانتا تھا کہ طروب کے دل، دماغ میں سوائے تمہارے کوئی اور جگہ بنا ہی نہیں سکتا، بہت خاموش اور گہری محبت کرتی ہے وہ تم سے، تمہارے اس سفاکانہ فیصلے پر مجھے بہت افسوس اور غصہ بھی تھا، لیکن میں جانتا تھا کہ طروب کی خاموش محبت تمہیں لاتعلق نہیں رہنے دے گی، بظاہر میں نے تمہارے اس فیصلے کو قبول کیا تو صرف اس لئے کہ تمہارے دل میں طروب کی قدر بڑھے، تمہیں احساس ہو کہ تم اس کے ساتھ ہی نہیں اپنے ساتھ بھی ظلم کر رہے اسے خود سے الگ کرکے، ایسا ہوتا ہے کہ ہمیں تب تک اپنے اثاثے کی قدر نہیں ہوتی جب تک کہ وہ ہمیں دسترس سے نکلتا دکھائی نہ دے اور پھر طروب تو تایا جان اور تائی جان کی سب سے اہم نشانی ہے تمہارے پاس، میں نے طروب سے بھی یہی کہا تھا کہ وہ اس معاملے میں بالکل خاموش رہے، وہ تمہیں قطعی یہ بات نہ بتائے کہ تمہیں طروب کی اہمیت کا احساس دلانے کے لئے میں اس کا نام تمہارے سامنے لیتا ہوں، طروب کو میں نے، بہن صرف کہا نہیں ہے، سمجھا بھی ہے، تمہارے دل میں اس کی محبت بیدار کرنے کے لئے مجھے کسی حد تک بھی جانا پڑتا تو میں پیچھے نہیں ہٹتا، بس دکھ ہے تو اس بات کا کہ تم نے اپنے دل کی بات مجھے نہیں بتائی، میں اسی لئے تو تمہیں پریشان کرتا رہا کہ تم طروب سے اپنی محبت کا اقرار کر لو۔''

''شاہ! تم جانتے ہو کہ تم میرے بھائی، دوست، غمگسار، ہمدرد سب کچھ ہو، طروب کے لئے اگر میں تمہارے سامنے کچھ کہنے کی ہمت نہیں کر سکا تو صرف اس لئے کہ میں تمہیں تکلیف میں یا خود سے ناراض نہیں دیکھ سکتا تھا، میں تو یہی سمجھتا رہا تھا کہ تم نے میرے اس فیصلے کو بہت سنجیدگی سے لیا ہے۔'' شاہ زیب نادم لہجے میں بولا تھا۔

''طروب کو خود سے الگ نہ کرنے کا بس ایک راستہ نظر آیا مجھے، سوچا تھا تم آؤ گے تو سب کچھ کہہ دوں گا، تمہیں راضی کرنے کے لئے طروب کے سوا سب کچھ دے دوں گا، اپنی زندگی تک۔''

''اب یہ سب کہہ کر تم مجھے شرمسار نہ کرو، پریشان تو میں نے تمہیں کیے رکھا، وجہ تم جان چکے ہو، تمہاری مشکل کو میں سمجھ سکتا ہوں اسی لئے تو کوئی شکایت نہیں تم سے۔'' شاہ زیب کے شانے پر ہاتھ رکھ کر وہ بولا تھا۔

"سچ کہوں تو مجھے اس سے بھی شکایت نہیں، جس سے شکایت کرنا حق ہے۔" بولتے ہوئے شاہ میر نے ایک نظر شہرینہ کو دیکھا تھا جو نگاہ چرا گئی تھی۔

"شاہ! تم آفس میں رکو ذرا، میں آتا ہوں پانچ منٹ میں۔" شاہ زیب کے کہنے پر وہ اثبات میں سر ہلاتا وہاں سے گیا تھا۔

"شاہ زیب! میری جگہ کوئی اور بھی ہوتا تو غلط فہمی کا شکار ہو جاتا۔" شاہ زیب کے کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ دھواں دھواں ہوتے چہرے کے ساتھ مضطرب ہو کر بولی تھی۔

"ہاں، اسی لئے تو شاہ نے جواباً کسی غصے کا اظہار نہیں کیا، ویسے میرا شک صحیح نکلا، خوشی ہوئی مجھے۔" شاہ زیب نے کہا تھا جبکہ شہرینہ نظر نہیں ملا سکی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ تمہیں شاہ سے بات کرنے کی ضرورت ہے، کافی سخت باتیں کہہ چکی ہو تم اسے، باتوں کے لئے یہ جگہ مناسب نہیں اگر تم طروب کے بہانے شاہ کے ساتھ گھر چلی جاؤ تو میری مشکل بھی آسان ہو جائے گی، پہلی تو یہ کہ طروب کی طبیعت بالکل ٹھیک نہیں، میری تو وہ شکل نہیں دیکھنا چاہتی مگر تم اور شاہ اسے ڈاکٹر سے چیک اپ کروانے کے لئے راضی کر لو گے اور دوسری مشکل تمہیں بتانے کی ضرورت ہی نہیں تمہیں اندازہ ہو گا کہ میرے فون پر تمہاری آواز سننے کے بعد اس کا کیا ردعمل سامنے آیا ہو گا۔"

"تم فکر مت کرو۔" اس کے بے بس لہجے پر شہرینہ نے کہا تھا۔

☆☆☆

شاہ میر کو اچانک اپنے روبرو دیکھ کر ہی وہ اس کے ہمراہ آنے والی شہرینہ کی موجودگی پر ناگواری کا اظہار نہیں کر سکی تھی مگر شہرینہ ہی نہیں شاہ میر بھی اس کے تاثرات سے بھانپ گیا تھا کہ بس وہ لفظوں کے ذریعے شہرینہ کے خلاف ناگواری کا اظہار نہیں کر پا رہی۔

بہرحال شاہ میر کے ناراض ہونے پر وہ دوبارہ ہاسپٹل جانے سے انکار نہیں کر سکی تھی، اس کی سرد مہری کے باوجود شہرینہ چیک اپ کے دوران بھی ساتھ ہی رہی راستے میں بھی اس کے آرام کا خیال رکھتی رہی تھی، جواب کی امید رکھے بغیر اس کی طبیعت کے بارے میں پوچھتی بھی رہی تھی۔

"ڈاکٹر نے کہا ہے، ایک دو بار آئی ڈراپس کے استعمال سے ہی انفیکشن ختم ہو جائے گا مگر تین دن تک برابر ڈراپس استعمال کرنا۔" طروب کا ہاتھ تھامے وہ اسے کمرے کی سمت لے جاتی تاکید کر رہی تھی، جبکہ طروب ناگواری کی لہروں کو مزید ضبط نہیں کر سکی تھی، اپنا ہاتھ اس سے چھڑا کر وہ خود ہی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی، شہرینہ چند لمحوں تک تذبذب میں مبتلا بند دروازے کو دیکھتی رہی تھی مگر پھر گہری سانس بھرتی کمرے میں داخل ہو گئی تھی، بیڈ کے کنارے بیٹھتی وہ کچھ دیر تک طروب کو دیکھتی رہی تھی جو آنکھوں پر ہاتھ رکھے قطعی لاتعلق تھی۔

"طروب! میں جانتی ہوں کہ میرا یہاں ہونا تمہیں ڈسٹرب کر رہا ہے۔"

"تو پھر تم یہاں سے چلی کیوں نہیں جاتیں؟" آنکھوں سے ہاتھ ہٹائے بغیر وہ تیز لہجے میں شہرینہ کی بات کاٹ گئی تھی۔

"اس لئے کہ تمہارے شوہر نے مجھے یہ ذمہ داری دی ہے کہ میں اس کے گھر آنے تک تمہارا خیال رکھوں۔" شہرینہ کے ترنت جواب پر طروب نے اسے دیکھا تھا۔

"کم از کم اب تو تمہیں میری وجہ سے کوئی

خدشہ نہیں ہونا چاہیے، مجھ سے نفرت رکھنے کی کئی وجوہات ہیں مگر میں کوشش کروں گی کہ تمہارا دل میری جانب سے صاف ہو جائے۔" سنجیدگی سے بولتے ہوئے شہرینہ نے ایک نظر کمرے میں آتے شاہ میر کو دیکھا تھا اور پھر دوبارہ طروب کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"میں تمہارے لئے کھانے کے لئے کچھ لے کر آتی ہوں۔" طروب کے پاس سے اٹھ کر شہرینہ کسی بھی جانب دیکھے بغیر کمرے سے نکل گئی تھی، دوسری جانب شاہ میر کو دیکھ کر طروب اٹھ بیٹھی تھی، کرسی بیڈ کے قریب کرتا شاہ میر بہت سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

"چچی جان، بھائی، بھابھی، بچے سب کیسے ہیں؟" طروب نے پوچھا تھا۔

"سب ٹھیک ہیں، تمہارے اور شاہ زیب کے لئے بہت خوش بھی ہیں۔" وہ بولا تھا۔

"طروب! میں موقع دیکھ کر تمہیں بتانے والا تھا شہرینہ کے بارے میں، پہلے تو میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ شہرینہ کے ساتھ تمہارا رویہ اور شاہ زیب سے تمہاری بدگمانی مجھے بہت غلط لگی ہے، جب ان دونوں کے درمیان پہلے کچھ نہیں تھا تو اب کیا ہو سکتا ہے۔" شدید ناراضی سے بولتے ہوئے شاہ زیب نے مختصراً اسے شہرینہ کو غلط میں زبردستی اپنے ساتھ لے جانے اور پھر بعد میں اسے اکیڈمی تک لانے کے لئے شاہ زیب کو راضی کرنے کی روداد سنا دی تھی۔

"پہلے اور اب کی شہرینہ میں زمین آسمان کا فرق ہے، میں اس کی عزت کرتا ہوں اور تم سے بھی یہی توقع رکھتا ہوں کہ اس کی عزت کرو، اس کا نام شاہ زیب کے ساتھ جوڑ کر تم سب سے زیادہ مجھے تکلیف پہنچاؤ گی کیونکہ میں اسے پرپوز کر چکا ہوں۔" شاہ میر کے کہنے پر وہ تحیر زدہ سی اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

کچن سے اس نے شاہ میر کو طروب کے کمرے سے نکلتے دیکھا تو حیرت کہیں ہوئی اس کے نظر انداز کیے جانے پر۔

"شاہ میر! مجھے ایک موقع تو دو ایکسکیوز کا، میں واقعی بہت شرمندہ ہوں اپنی اس ساری بکواس پر۔" شہرینہ کے راستہ روکنے پر شاہ میر نے اسے خاموش نظروں سے دیکھا تھا۔

"شاہ زیب نے جو کچھ بتایا اسے سننے کے بعد میری جگہ کوئی بھی ہوتا تو اسی طرح غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتا۔"

"اسی بات کا افسوس ہے کہ تمہاری جگہ کوئی اور نہیں تھا تم ہی تھیں۔" شاہ میر نے اس کی بات کاٹی تھی۔

"تم بھروسہ نہیں کر سکتیں کسی پر لیکن جو تم پر بھروسہ رکھتا ہے تم از کم اسے تو ایک موقع دینا چاہیے تھا، تم نے مجھ سے سوال تو کیا ہوتا پھر میں تمہیں حقیقت نہ بتاتا تو حق دار تھا ان سب نشتروں کا جو میرے سامنے آتے ہی تم نے چلا دیئے، میں کتنا خوش واپس آیا تھا سب کچھ چھوڑ کر صرف تمہارے لئے مگر ایک تم ہو، دل ہی توڑ کر رکھ دیا۔"

"اسی لئے تو اپنی غلطی کی معافی مانگ رہی ہوں، آئندہ بھی تمہیں مجھ سے ایسی شکایت نہیں ہو گی۔" بھیگے لہجے میں بولتے ہوئے شہرینہ کا چہرہ اتر گیا تھا۔

"کسی معذرت کی ضرورت نہیں، ویسے بھی تم میرے اس فیورٹ ایبلو کلر لباس میں سیدھا میرے دل میں اتر رہی ہو، اب کیا تمہارے لئے دل میں شکایت رکھنا۔"

"مگر اس دن تو تم نے میرے بلیک کلرڈ ڈریس کو دیکھ کر کہا تھا کہ وہ تمہارا فیورٹ کلر

ہے۔" شہرینہ نے چونک کر یاد دلایا تھا۔

"شرمانا مت، ایسی سچویشن میں بھی پرانی، گئی گزری باتیں نکال کر درمیان میں لے آنا بس سارے رومانس کی ایسی کی تیسی کرنے کے لئے۔" شاہ میر کے جلے کٹے انداز پر وہ بے ساختہ کھلکھلائی تھی جبکہ شاہ میر کو اپنے فون پر آتی کال کی طرف متوجہ ہونا پڑا تھا۔

"اب کیسی ہے طروب؟" شاہ زیب نے پوچھا تھا۔

"اصولاً تو تمہیں اس کی خیریت دریافت کرنی چاہیے جس کو میری ذمہ داری پر تم نے یہاں بھیجا ہے۔" شاہ میر نے مسکراتی نظروں سے شہرینہ کو دیکھا تھا۔

"اس کی مجھے فکر نہیں وہ تمہیں سنبھال سکتی ہے وہ بھی بہت عزت کے ساتھ۔" شاہ زیب کے کہنے پر وہ ڈھٹائی سے ہنسا تھا۔

"اس میں تو کوئی شک نہیں، اسی لئے تو امی حضور مجھے اس پر قربان کرنے کے لئے خود یہاں تشریف لا رہی ہیں۔" شاہ میر شرارتی لہجے میں شاہ زیب کو بتا رہا تھا جبکہ شہرینہ چونکی تھی۔

"اچھی بات ہے، میں خود ان کو بتاؤں گا کہ تم نے میری ناک کے نیچے کیا گل کھلایا ہے۔" شاہ زیب نے خشمگیں لہجے میں کہا تھا۔

"آواز سنائی نہیں پڑ رہی جگر، گھر آؤ گے تو دو دو ہاتھ کرتے ہیں۔"

"ہاں معلوم ہے کائیاں انسان اب تو بالکل بھی تمہیں میری آواز سنائی نہیں دے گی۔" شاہ زیب کے کہنے پر وہ ڈھٹائی سے ہنستا فون بند کر گیا تھا۔

"کیا کہہ رہا تھا شاہ زیب جو تم نے یوں اچانک لائن ڈسکنیکٹ کر دی؟" شہرینہ نے مشکوک لہجے میں پوچھا تھا۔

"یہی کہ میری کون سی ٹرین چھوٹ رہی تھی جو میں نے پہلے اپنا حال دل بیان کیے بغیر تمہیں پروپوز کر دیا، میرا خیال ہے ابھی اتنی دیر نہیں۔"

"ہرگز نہیں، پہلے ہی میرے سر میں درد ہونے لگا ہے۔" مسکراہٹ چھپاتی وہ نخوت سے بولی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ تم جیسی نخریلی، نازک مزاج نما محبوبہ کے لئے ہی امیر مینائی نے فرمایا ہے۔"

"کیا فرمایا ہے؟" شہرینہ نے ابرو چڑھا کر اسے دیکھا تھا۔

منہ پھیر کر کہا جو میں نے حال دل
چپ بھی رہو امیر مجھے درد سر نہ ہو

اس کے خشمگیں انداز میں شعر گوئی پر شہرینہ بے ساختہ ہنسی تھی۔

☆☆☆

باہر چھائی گہری خاموشی سے اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ شہرینہ کو ڈراپ کرنے شاہ میر جا چکا ہے، شہرینہ کے وہ جملے اس کی سماعتوں میں بار بار گونج رہے تھے جو جانے سے پہلے شہرینہ نے کہنے ضروری سمجھے تھے۔

"شاہ میر نے اس حد تک مجھ پر بھروسہ کیا ہے کہ مجھے حیران کر دیا ہے، تو پھر تم شاہ زیب کے اتنا نزدیک آ جانے کے بعد اس پر بھروسہ کر کے اس فخر کرنے کا موقع نہیں دے سکتیں؟ جو تمہارا ہے اسے تم تک پہنچنے کے لئے کسی راستے کی ضرورت نہیں، وہ جہاں ہے تمہارا ہے اور رہے گا کیونکہ تم نے پہلے ہی اسے حاصل کر لیا ہے، مقدر ہے یا دعاؤں سے طلب کی شدت سے یا ازل سے۔" دروازے پر ہوتی آہٹ نے اسے چونکایا تھا، زرد ہوتے چہرے کے ساتھ وہ دوبارہ شاہ زیب سے نگاہ نہ ملا سکی تھی، اسے اپنے سامنے براجمان ہوتے دیکھ کر طروب کا سر مزید ندامت سے جھک گیا تھا۔

شاہ زیب چند لمحوں تک اسے دیکھتا رہا تھا مگر پھر دھیرے سے اس کا چہرہ ذرا اٹھایا تھا، اس کی آنکھوں کی سوجن اور سرخی بہت معمولی نوعیت کی رہ گئی تھی۔

"اب کیسی طبیعت ہے؟ آنکھوں میں تکلیف تو نہیں؟" اس کے سوال پر طروب کے دل کو کچھ ہوا تھا، آنکھیں لبریز ہونے لگی تھیں۔

"پاگل لڑکی! کیوں میری امانت کو اذیت دے رہی ہو۔" کچھ ناراضی سے ڈپٹتے ہوئے شاہ زیب نے اس کی پلکوں پر چمکتے ستارے اپنی پوروں میں سمیٹ لئے تھے۔

"شاہ میر کا ساتھ دے کر خوب تنگ کیا تم نے مجھے، پتہ بھی تھا تمہیں کہ میں کتنا پریشان تھا، اب تو میں تم سے شکایت بھی نہیں کر سکتا ورنہ تمہارے آنسوؤں کا سیلاب میرے سکون کو بھی ساتھ بہا لے جائے گا۔"

"مجھے معاف کر دیں، غصے میں بہت کچھ غلط کہا میں نے، بہت ہرٹ کیا آپ کو۔" وہ بمشکل بول سکی تھی۔

"ہاں، تھوڑا ہرٹ تو ہوا لیکن خوشی اس بات کی زیادہ ہے کہ میرے لئے بھی کوئی اتنا شدت پسند اور جذباتی ہے۔" مسکراتی نظروں سے شاہ زیب نے اس کی نم آنکھوں میں دیکھا تھا۔

"ویسے شاہ میر کا ساتھ دے کر تم نے کچھ غلط بھی نہیں کیا، مجھے احساس دلانے کے لئے اور عجلت میں فیصلے صادر کر دینے والے انسان کو یہی ڈیزرو کرتا تھا، لیکن اتنا نقصان ہونے کے بعد اب میں نے توبہ کر لی ہے، اپنی زبان کی پاسداری میں اب کسی کے جذبات اور خواہشات کو نظر انداز کرنے کی غلطی نہیں کروں گا۔" اس کے بے حد سنجیدہ انداز پر طروب نے اسے دیکھا تھا۔

"آپ جو کہتے ہیں اس پر عمل بھی کرتے ہیں، اپنی زبان سے نہیں پھرتے، یہ آپ کی خوبی ہے، بس عجلت میں ایسا کوئی فیصلہ ایسی کوئی بات نہیں کرنی چاہیے جو خود آپ کو بھی بعد میں گراں گزرے یا پچھتاوے میں مبتلا کر دے۔" وہ مدھم لہجے میں بولی تھی۔

"بالکل ٹھیک کہا تم نے، اب تم ہو میرے ساتھ تو مجھے یاد دلاتی رہنا دور اندیشی سے کام لینے کے لئے۔" شاہ زیب کے مسکراتے لہجے پر وہ خاموش رہی تھی۔

"اور سنو، اب اگر تم نے اپنا مقابلہ کسی سے

اچھی کتابیں
پڑھنے کی عادت ڈالیں
ابن انشاء
اردو کی آخری کتاب
خمار گندم
دنیا گول ہے
آوارہ گرد کی ڈائری
ابن بطوطہ کے تعاقب میں
چلتے ہو تو چین کو چلیے
نگری نگری پھرا مسافر
خط انشاء جی کے
اس بستی کے اک کوچے میں
چاند نگر
دل وحشی
ڈھور اکیڈمی
چوک اردو بازار لاہور
فون: 042-37321690, 3710797